تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

جلد نمبر ۳۱ | مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ | شمارہ نمبر ۱۷

۱۰ جولائی ۱۹۹۴ء
۲۹ محرم ۱۴۱۵ھ

نگران اعلیٰ
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا شہود عالم ندوی
مولانا سلمان حسینی ندوی — مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبد اللہ الحسنی ندوی — مولانا محمد رضوان ندوی
ڈاکٹر ہارون رشید

زرِ تعاون (عطیہ)
۱۰۰ روپے
سالانہ
فی شمارہ ۵ روپے
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک
بذریعہ ہوائی ڈاک
۲۵ ڈالر
بذریعہ خشکی و بحری ڈاک جملہ ۱۰ ڈالر
خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیرِ حیات پوسٹ بکس نمبر 93
ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ
کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیرِ حیات کے پتہ
پر روانہ کریں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۰۰ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیرِ حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

نوٹ

بوقتِ خط لکھتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر تعمیرِ حیات جاتا ہے اس کی صراحت منی آرڈر کوپن پر ضرور کریں۔

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے آزاد پریس میں طبع کرا کے دفتر تعمیرِ حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ کیلئے شائع کیا

اسلام میں باغبانی و زراعت کی فضیلت

ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی ——— ترجمہ: شمس الحق ندوی

(۴)

ماحول و فضا کو پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنے میں درختوں اور پودوں کے اثرات و فوائد

مذکورہ احادیث بتاتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے درختوں کو لگانے کا اہتمام فرمایا ہے تاکہ زمین اچھی اور کار آمد ہو جائے اور دیگر پودوں کو پروان چڑھانے کی اس میں صلاحیت پیدا ہو جائے، کیونکہ کائنات کو آباد کرنا ان سارے ہی کاموں پر مشتمل ہے اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کیونکہ یہ حیوانات اور نباتات دونوں ہی کے لئے راہ ہموار کرتا ہے اور شجر کاری میں کچھ زیادہ زحمت و خرچہ بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ پودے اپنی غذا بڑی حد تک خود ہی حاصل کر لیتے ہیں، وہ اپنی غذا ہوا اور مٹی سے حاصل کر لیتے ہیں، وہ ہوا سے کاربن ڈائی آکسائڈ حاصل کرتے ہیں اور مٹی سے پانی اور نمکیات حاصل کرتے ہیں ان وجوہات کی بنا پر پودے اپنی غذا آپ فراہم کرتے ہیں۔ پودوں کو کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن و ہائیڈروجن، نائٹروجن کے علاوہ اور بھی چیزیں درکار ہوتی ہیں چنانچہ ان کمپنڈ کورہ چیزوں کے ساتھ تانبہ، گلٹ اور منگنٹ کی بھی کسی حد تک ضرورت ہوتی ہے یہ چیزیں پودوں کی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔

مٹی سے پانی اور قدرتی نمک حاصل کرنے کا کام خصوصاً تھالے بنا کر جڑوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ پودے کی غذا کا فاضل مادہ اس کے دیگر اجزا جمع کر لیتے ہیں مثلاً اس کی جڑیں، تنا شاخ اور پتے، بیج اور پھل۔

پودے ہی غذا بناتے ہیں اور اس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ فائدہ اٹھاتے ہیں اگر پودے نہ ہوں تو روئے زمین پر زندگی نہ پائی جائے۔ لہٰذا شجر کاری کا کام اور پودوں کی نگرانی و دیکھ بھال زمین اور دنیا کی آباد کاری کی چیزوں میں سے ایک اہم چیز ہے[۱۵]

درختوں اور پودوں کا ایک دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ فضا کے اندر کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن کے تناسب کو برقرار رکھتے ہیں۔ ہرے پودے شمسی کرنوں کے عمل کے دوران کاربن ڈائی آکسائڈ لیتے ہیں اور آکسیجن نکالتے ہیں۔ اس طرح وہ جاندار چیزوں کی سانس سے پیدا ہونے والے کاربن ڈائی آکسائڈ کے تناسب کو جو فضا میں موجود ہوتے ہیں معتدل رکھتے ہیں کہ اس سے نقصان نہ پہنچے، اس تفصیل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "جو مسلمان بھی کوئی پودا لگاتا ہے یا کاشت کرتا ہے پھر اس میں سے پرندے یا انسان یا کوئی بھی جاندار کھاتا ہے تو وہ اس مسلمان کے حق میں صدقہ کا ثواب رکھتا ہے" کے اعجاز کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کے فرمودات کس اہمیت کے حامل اور بہت سے فوائد پر مشتمل ہیں۔

ان احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولیت کھجور لگانے کو دیتے ہیں اس لئے کہ پانی سے خالی صحرا کے اندر جو عام طور سے شادابی سے خالی ہوتا ہے اس میں پائے جانے والے درختوں میں سب سے اچھا اور مفید درخت کھجور ہی کا ہے اور یہ پانی کی کمی اور پیاس کو زیادہ عرصہ تک برداشت کر لیتا ہے۔

کھجور ہوائی لہروں، ریت اڑانے والی آندھیوں اور گرم سرد ہواؤں سے بچنے کی غرض سے بھی لگائے جاتے ہیں۔ وہ کھیتوں اور باغوں کی حفاظت کے مقصد سے بھی لگائے جاتے ہیں کھجور روئے زمین پر بندوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمتوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ "والأرض وضعها للانام فيها فاكهة والنخل ذات الاكمام والحب ذو العصف والريحان فبأي آلاء ربكما تكذبان"

(رحمٰن ۔ ۱۰ تا ۱۳)

اور اس نے خلقت کے لئے زمین بچھائی، اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں۔ اور اناج جس کے ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبو دار پھول۔ تو اے گروہ جن و انس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

دوسری جگہ فرمایا: "والنخل باسقات لها طلع نضيد رزقاً للعباد وأحيينا به بلدة ميتاً كذلك الخروج"

اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہ بہ تہ ہوتا ہے (اور سب کچھ) بندوں کو روزی دینے کے لئے (کیا ہے) اور اس (پانی) سے ہم نے شہر مردہ (یعنی زمین قادہ) کو زندہ کیا۔ (ق ۔ ۱۰ تا ۱۱) (باقی صفحہ ۳ پر)

اس شمارے میں

۱	درس حدیث	شمس الحق ندوی	۲
۲	اداریہ		۵
۳	اسلام میں اجتماعی اور ذاتی زندگی	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۷
۴	اسلامی بیداری	مولانا محمد رابع ندوی	۱۲
۵	حیات بعد الممات	ڈاکٹر صفیہ نسیم	۱۶
۶	قادیانیت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۱۸
۷	بیت المقدس	محمد ابراہیم ندوی	۲۱
۸	تیرہ تیزی کی نحوست	مولانا محمد خالد ندوی	۲۳
۹	کاروان زندگی	پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی	۲۵
۱۰	مطالعہ کی میز پر	مولانا محمد خالد ندوی	۲۸
۱۱	سوال و جواب	محمد طارق ندوی	۲۹
۱۲	عالمی خبریں	معید اشرف ندوی	۳۱

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی ۱۰/- روپئے کے حساب سے زر ضمانت پیشگی روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کالمی کام فی سینٹی میٹر R.20/-
۲۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۳۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ
1- Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb.
P.O.Box No. 842
MADINA MUNAWWARAH - K.S.A.

ریاض
2- Mr. SAEED MURTAZA NADVI Sb.
P.O.Box No. 3922
RIYAZ. 11481- K.S.A.

برطانیہ
3- Mr. Mohd. AKRAM NADVI Sb.
O c.I.S.
10 - St. Cross Road
Oxford OX1 3T4 - U.K.

ساؤتھ افریقہ
4- Mr. M. YAHYA SALLO NADVI Sb.
P.O.Box No. 388
Vereniging
(S.AFRICA)

قطر
5- Mr. ABDUL HAI NADVI Sb.
P.O.Box No. 10894
DOHA - QATAR

دبئی
6- Mr. QARI ABDUL HAMEED NADVI Sb.
P.O.Box No. 12525
DUBAI - U.A.E.

پاکستان
7- Mr. ATAULLAH Sb.
Sector A-50, Near Sau Quater
H. No. 109 Town Ship Kaurangi
KARACHI- Pakistan-31

امریکہ
8- Dr. A. M. Siddiqui Sb
98- Conklin Ave
Woodmere
New York 11598 - U.S.A.

اداریہ

شمس الحق ندوی

اسلام سے وہ کیوں خائف ہیں

اسلام انسانی عقل و شعور کے دور بلوغ کا آخری مذہب ہے اور اس کی دائمی رہنمائی کے لئے آیا ہے اس لئے وہ سب مذاہب سے زیادہ عالمگیر بھی ہے اور جامع و مکمل بھی، اس کا مخاطب سارا عالم انسانیت ہے، اس کے دائرے سے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی پہلو بھی باہر نہیں ہے وہ اس کی جملہ دنیوی و اخروی، اور مادّی و روحانی ضروریات کا کفیل اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس میں دین و دنیا اور جسم و روح کی تفریق نہیں بلکہ دنیا میں احکام الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے ہی کا نام اسلام ہے اس میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ہر دور کی صالح انسانی ترقی کا ساتھ دے سکتا ہے بلکہ اس میں اس کی رہنمائی کر سکتا ہے، لہٰذا دل کی گہرائیوں سے اس پر ایمان رکھنے والوں کو جب بھی حکومت و اقتدار کی باگ سونپی جائے گی یہ ہماری دکھی دنیا نمونۂ جنت بن جائے گی قرآن کریم کا ارشاد ہے "الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر" (ج-۱۷) "یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دست رس دیں تو نماز پڑھیں اور زکواۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں"

یہ ہے اسلام پسندوں کی اسلام پسندی کا لب لباب اور پوری دنیائے انسانیت کے لئے اسلام کے دین رحمت ہونے کا خلاصہ اور نچوڑ کہ اگر اسلام کے سچے پرستاروں کو اقتدار و غلبہ حاصل ہو جائے تو دنیا میں حکومت و سیاست کے خاکے اس مختصر سے ارشاد ربانی کی روشنی میں بنیں گے سماج و معاشرہ سے لے کر اقتصادیات و معاشیات۔ تجارت و کاروبار، سیر و تفریح، عدالتوں کے قوانین اور ضابطۂ فوجداری و تعزیرات، مختلف قوموں اور برادریوں کے ساتھ عدل و انصاف اور سب کے حقوق کی پاسداری حتی کہ ادب و لٹریچر۔ آرٹ و فن کاری سب کے سب اسی کے بنائے ہوئے خاکہ کے مطابق چلیں گے۔

اس کائنات کے بنانے اور اس کے نظام کے چلانے والے مالک و خالق کی عبادت اور اس کے سامنے سر جھکانے اور اس کے حکموں پر چلنے کے ساتھ ساتھ اسلامی طرز حکومت اور گورنمنٹ کا نظام کچھ اس طرح ترتیب پائے گا کہ بیت المال کے بعد کوئی ننگا بھوکا نہ رہنے پائے گا عدالتوں میں انصاف بکنے کے بجائے ملنے لگے گا، رشوت، چالبازی، جھوٹی گواہیوں اور قسموں کا خاتمہ ہو جائے گا، امیر کو کوئی حق کوئی موقع غریب کو ذلیل سمجھنے اس کا حق مارنے اور ستانے کا باقی نہ رہ جائے گا، چوریاں اور بدکاریاں، ڈاکے اور قتل و غارتگری کا خاتمہ ہو جائے گا ایک کمزور و ناتواں آدمی رات کے اندھیرے یا صحرا کے ویرانے میں سونے کا ڈلا یا روپئے پیسے کی گٹھری لے کر چلے گا اور کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوگی۔ غریبوں کا خون چوس کر تیار ہونے والی مہاجنی کوٹھیوں اور سود خوار ساہوکاروں اور بنکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں گے، شراب اور جوا اڈی اگر اپنی حرکت سے باز نہ آئیں گے تو شہر بدر کر دیئے جائیں گے، سینما اور تھیٹر جو بے حیائی اور فحش کاری کا کھیل دکھا دکھا کر معاشرہ کی آنکھوں سے شرم و لاج ختم کر کے بدکاری کا طوفان اٹھاتے ہیں، نہایت عریاں اور شرم سے سر جھکا دینے والے پوسٹر چھاپتے اور آزادی نسواں کے نام پر اس صنف نازک کی عزت و آبرو کی دھجیاں اڑاتے ہیں ان کی ان تمام شہوانی تماشا گاہوں کو یک قلم ختم کر دیا جائے گا۔

گندے اور فحش ناولوں، اخلاق سوز افسانوں اور بے حیا شاعری کی جگہ پاکیزہ اور تعمیری ادبیات لے لیں گی۔ شہر و دیہات کوچہ و بازار ہر جگہ انسانی شرافت اور پیار و محبت کی شہنائیاں بجتی سنائی دیں گی۔

اسلامی ضابطۂ حیات کسی مخصوص قوم اور مخصوص زمانہ کے رسم و رواج پر قائم نہیں ہے بلکہ اس میں اس فطرت و مزاج کی پوری رعایت رکھی گئی ہے جس پر انسان پیدا کیا گیا ہے۔ جب انسان کی فطرت ہر زمانہ میں قائم ہے تو دین فطرت کے احکام و قوانین کو بھی قائم رہنا ضروری ہے ورنہ انسانی آبادی میں ایسے ایسے تغیرات ہوں گے جو اس کو جانوروں سے بھی بدتر بنا دیں گے اور پھر اس کو انسان بننے سے وحشت ہوگی۔

کچھ عرصہ کی بات ہے کہ لکھنؤ کے بلرام پور اسپتال میں دس بارہ سال کے ایک ایسے لڑکے کو علاج و معالجہ کے ذریعہ انسانی فطرت پر لانے کی کوشش کی جا رہی تھی جس کو بچپن میں بھیڑیا اٹھا لے گیا تھا مگر خدا کی قدرت کہ بھیڑیے نے اس بچہ کو کھایا نہیں بلکہ اس کی مادہ جو بچے دیئے ہوئے تھی اپنے بچوں کے ساتھ اس کو بھی پالتی رہی اس ماحول میں اس بچے کے چلنے کا انداز غذا اور بولنا سب تبدیل ہو گیا تھا اس کو انسانوں سے وحشت ہوتی تھی اس کو دیکھنے کے لئے ایک بھیڑ لگی رہتی تھی لوگ اس پر خرچ کرنے کے لئے روپئے بھی دیتے تھے لیکن چونکہ ماحول اس کی فطرت پر اثر انداز ہو گیا تھا وہ دہشت زدہ رہتا تھا بالآخر تاب برداشت نہ لاکر مر گیا یہ ۵۸ء یا ۵۹ء کا واقعہ ہے خود راقم سطور نے بھی اس لڑکے کو دیکھا تھا۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ ایک شریف گھرانے کا بچہ جب چوروں اور اچکوں کے ماحول میں رہنے لگتا ہے تو اس کا اپنے گھر کے باوقار و سنجیدہ و شریفانہ ماحول سے وحشت ہونے لگتی ہے۔

ہماری آج کی دنیا کچھ اسی طرح کی صورت حال سے دوچار ہے مغربی اخلاق و تہذیب نے اس کی مادہ پرستی اور شہوت رانی نے نظام عالم کو ایسے سانچے میں ڈھال دیا ہے کہ انسان اپنی فطرت سے بہت دور نکل چکا ہے فطرت سے دور نکل جانے کے بعد اس نے ہوس رانی اور من مانی زندگی کی ایسی دنیا بنالی ہے کہ فطرت کی طرف لوٹنے میں اس کو وحشت ہو رہی ہے اس لئے تمام قومیں اور لوگ جو اس نئی اور آوارہ تہذیب کے دام فریب میں پھنس چکے ہیں ان کو اسلام اور اسلام پسندوں سے وحشت ہوتی ہے وہ اس ڈر سے کہ کہیں اس صاف ستھرے اور فطرت انسانی کے ترجمان پاکیزہ نظام حیات کا چلن نہ ہو جائے خائف رہتے ہیں اور اس سے بچنے کے لئے اس کو ان ناموں سے یاد کرتے ہیں جن سے لوگوں کو اس اسلام سے اس طرح خوفزدہ کریں جیسے سانپ بچھوؤں اور زہریلے جانوروں اور جراثیم سے ڈرایا اور خوف زدہ کیا جاتا ہے لہٰذا صحافت و میڈیا کی پوری طاقت اس کے خلاف لگی ہوئی ہے۔ کوئی بات کتنی ہی غلط ہو لیکن جب بار بار اس کو دہرایا جائے طرح طرح کے عنوانوں سے اس کی خوبیاں بیان کی جائیں تو وہ بری اور سو فیصد غلط باتیں بھی صحیح اور درست معلوم ہونے لگتی ہیں اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مغربی قوموں اور اس کے ازلی دشمن یہود و نصاریٰ نے یہی انداز اپنا رکھا ہے اور اس کے اثر سے مشرق کی باحیا قومیں بھی اس کی ہنوائی کرنے لگی ہیں اس لئے کہ اسلام آئے گا اور اسلام پسندوں کو دنیا کا نظام چلانے کا موقع ملے گا تو حیا و شرم سے عاری اور مال و مادہ کے ان بھوکوں جو کمزوروں کی عزتوں سے کھلواڑ کرتے ہیں ان کا خون چوس چوس کر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ ان سب کا خاتمہ ہو جائے گا یہ ہے اسلام اور اسلام پسندوں سے ڈر اور خوف کا سبب جس کی وجہ سے اس کی مخالفت میں ہر چہار طرف شور و غوغا مچا ہوا ہے اور اس میں وہ نام کے مسلمان بھی شامل ہو جاتے ہیں جنھوں نے مغربی تہذیب کے اثر سے اپنی فطرت سلیم پر گرد و غبار ڈال لیا ہے اور جب وہ مغربی تہذیب کی عینک سے اسلام کو دیکھتے ہیں تو ان کو اس میں تنگی نظر آتی ہے وہ گھٹن و چبھن محسوس کرتے ہیں اس لئے وہ بھی وہی بولی بولنے لگتے ہیں جو ان کا مغربی استاذ بولتا ہے۔

یہ اسلام کے لئے کوئی نئی بات نہیں پوری انسانی تاریخ اور تمام انبیاء کرام کی سیرتیں اس کی گواہ ہیں کہ ہر عہد و زمانہ میں اسلام کی مخالفت ہوئی ہے اس پر طنز و تعریض کے تیروں کی بوچھار ہوئی ہے لیکن دین حق کا چراغ تمام طوفانوں سے گذر کر زندہ و تابندہ رہا ہے اور مخالفت پر آمادہ قومیں تباہ و برباد ہوتی رہی ہیں اور پھر جب بالفاظ مولانا سید سلیمان ندوی "اس ربانی خم خانہ عشق کا آخری ہوشمند سرشار، ریاض محبت کی بہار جاوداں کا آخری نغمہ خواں عندلیب، نظارۂ جمال حقیقت کا پہلا مشتاق، ستور ازل کے چہرۂ زیر نقاب کا پہلا بند کشا" آیا تو اس کو بھی مخالفتوں ہی کا سامنا کرنا پڑا اپنوں نے بیگانوں سے زیادہ مارا اور رستا یا ہنس مذاق اڑایا۔ مگر پھر دنیا نے کیا دیکھا غرور و گھمنڈ کے متوالے کس طرح مٹتے یا حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے جس بادشاہ نے آپ کے نامۂ مبارک کو پھاڑا اس کے ملک و حکومت کے چیتھڑے اڑ گئے آج جب اسلام کے اس آخری نغمہ سرا کو دنیا سے گئے ہوئے ۱۴ صدیاں گذر چکی ہیں اور تاریخ کے اس اتار چڑھاؤ کے ساتھ گذر چکی ہیں جو ہر پڑھے لکھے انسان کی نظروں میں ہے اسلام ان سارے طوفانوں سے گذر کر آج بھی ویسے ہی زندہ و تابندہ اور انسانیت کا نجات دہندہ ہے جیسے روز اول تھا، اس وقت بھی جو طوفان

باقی صفحہ پر

اسلام میں اجتماعی اور ذاتی زندگی کا تصور

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

ذیل کا مضمون حضرت مولانا مدظلہ کی وہ تقریر ہے جو مدرسہ دینیہ غازی پور کے تاریخ ساز سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۳ر اپریل ۱۹۹۶ء کی شب میں ایک بڑے مجمع میں ہوئی مدرسے کے مہتمم جناب مولانا عزیز الحسن صاحب صدیقی نے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے اہم تقریر بذات خود ٹیلنڈ کر کے ادارۂ تعمیر حیات کو بھیجنے کا اہتمام فرمایا ادارہ ان کا شکر گذار ہے۔ شکریہ کے ساتھ ہم ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

أما بعد! اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یأیھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان إنہ لکم عدو مبین۔

حضرات! ابھی آپ کے سامنے جو خطبہ استقبالیہ پڑھا گیا ہے اس میں میرے خاندان کا اور میرے بزرگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ غازی پور سے ان بزرگوں کا جو تعلق رہا ہے وہ قابل قدر ہے اور میرے لئے بھی فخر کی بات ہے۔ آپ حضرات نے جس محبت و احترام اور برادر نوازی کا ثبوت دیا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ میں بھی آپ کی خدمت میں وہ چیز پیش کروں جو بہتر سے بہتر تحفہ ہو۔ آپ نے میری خاطر داری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، محبت سے پیش آئے اس لئے احسان شناسی کا، شکر اور شرافت کا یہ تقاضہ ہے کہ اپنے میزبانوں کے لئے جو قیمتی سے قیمتی چیز ہو وہ پیش کر دوں جو عمر بھر کے لئے، اجتماعی زندگی کے لئے، ذاتی زندگی کے لئے "دعوتی زندگی اور نمونہ والی زندگی کے لئے کافی ہو۔

آپ کے سامنے میں نے ابھی قرآن حکیم کی ایک آیت پڑھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ اسلام کا مطالبہ ہے کہ سو فیصدی مسلمان سو فیصدی اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ان الفاظ پر آپ غور کریں۔ مطالبہ ان سے ہے جو ایمان والے ہیں۔ کلمہ پڑھنے والے ہیں، اسلام کو اپنا مذہب بنانے والے ہیں۔ مطالبہ دس بیس یا پچاس فیصدی سے نہیں ہے بلکہ سو فیصدی سے ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ سو فیصدی مسلمان جنھوں نے کلمہ پڑھ لیا اور اعلان کر دیا کہ ہم مسلمان ہیں بس ان پر اسلام کا قانون لاگو ہو گیا۔ کوئی استثنا نہیں، کسی قسم کا ریزرویشن یا کوٹہ نہیں۔ اسلام کے قوانین پر اور ضوابط پر عمل کرنا ہوگا۔ مسلمان بھی سو فیصدی اور اسلام بھی سو فیصدی۔ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اسلام بحیثیت عقیدے کے مقبول ہے، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ہمارا ایمان ہے لیکن فرائض کے مقابلہ میں ذرا استثناء چاہیے کیونکہ ہم بہت مشغول ہیں، بڑی محنت سے کمانا پڑتا ہے، بڑی محنت سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی گذر اوقات کا سامان کرنا پڑتا ہے۔ یہ پانچ وقت کی نمازیں ہمارے اوپر بڑی بھاری ہیں، اس میں تھوڑی سی۔ رعایت کر دیجئے ہم مغرب اور عشاء کی نماز دفتر سے آکر پڑھا کریں گے۔ فجر کی نماز سب سے زیادہ مشکل ہے۔ رات میں بہت دیر سے سونا ہوتا ہے اور دو ہی تین گھنٹوں کے بعد فجر کا وقت ہو جاتا ہے، ظہر کی نماز کا وقت خاص کاروبار کا وقت ہوتا ہے۔ اگر ہم طالب علم ہیں تو اسکول کالج میں ہیں، لیکچرر یا پروفیسر ہیں تو یونیورسٹی میں ہیں، اگر ہم دفتر کے ملازم ہیں یا تاجر ہیں تو یہی وقت بڑی مصروفیت کا ہوتا ہے، لین دین کا خرید و فروخت کا ہے۔ ظہر و عصر کا وقت بازاروں کی رونق کا وقت ہے، سانس لینے کا بھی موقع نہیں ملتا لہٰذا ہمیں اس سے مستثنیٰ کر دیں۔ ہمارے لیے یہ پانچوں وقت کی پابندی بہت مشکل ہے۔ بیشک ہم مسلمان ہیں لیکن ہمیں اس میں کچھ رعایت چاہئے۔ بن بچے کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن میں صاف لکھا ہوا ہے کہ نماز سب پر فرض ہے، وقت کی پابندی کے ساتھ، فجر کی نماز سورج نکلنے سے پہلے، ظہر کی زوال کے بعد عصر کی غروب سے پہلے اور مغرب کی سورج غروب ہونے کے بعد عشاء کی نماز جب عشاء کا وقت داخل ہو جائے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ٹھیک ہے نمازیں بہت ضروری ہیں اور اس میں استثناء بھی نہیں ہے مگر یہ روزے تو بہت مشکل ہیں، اس کے رکھنے سے

آدمی کمزور ہو جاتا ہے، صحت خراب ہو جاتی ہے اور ہماری تو صحت یوں ہی اکثر خراب رہتی ہے اور پھر یہ زمانہ ہے مشغولیت کا، یہ موسم ہے گرمی کا۔ اس میں تو روزوں کی پابندی کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

ابھی مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ ہم ایک بار مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں راجیو جی سے ملنے گئے۔ ہم نے ان سے کہا کہ بات کو کسی نتیجہ تک پہنچا دیجئے کیونکہ روزہ آنیوالا ہے رمضان میں میرا آنا بہت مشکل ہوگا، ہم رائے بریلی کے رہنے والے ہیں وہاں سے اتنا لمبا سفر کر کے آنا میرے لئے ممکن نہ ہوگا راجیو جی شریف خاندان کے آدمی تھے انھوں نے بڑے بھولے پن سے کہا۔ مولانا صاحب آپ روزہ جاڑوں میں کیوں نہیں رکھتے میں نے فوراً ان سے کہا۔ یہ بات اب کسی سے نہ کہئے گا ورنہ پرسنل لا سے بڑھ کر دوسرا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ واویلا مچ جائے گا، ہو سکتا ہے بات پریس میں آجائے کہ راجیو جی نے مولانا علی میاں سے کہا ہے کہ مسلمان اپنے روزے جاڑوں کے موسم میں ہی رکھا کریں روزہ تو اپنے وقت ہی سے ہوگا چاہے گرمی میں ہو یا جاڑے میں یا برسات میں۔ سب کو رکھنا ہوگا اور اس کے وقت پر رکھنا ہوگا۔ کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ زکوٰۃ کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے۔ سال کے آخر میں سارے مال پر دولت پر ایک ایک پائی جوڑ کر زکوٰۃ نکالی جائے۔ یہ تو بہت مشکل ہے، ہمیں تو اس سے معاف ہی رکھئے۔ ہم یہ عرض کریں گے کہ اسلام کے چار ارکان میں سے زکوٰۃ بھی ایک رکن ہے۔ اسلام کی عمارت اس پر ٹکی ہوئی ہے اس عمارت کو آپ کمزور کیوں کرتے ہیں۔

اس کے بعد حج کا معاملہ آتا ہے۔ اتنا لمبا سفر اور اتنے کثیر اخراجات۔ جان کا خطرہ الگ، فی زمانہ کوئی زیادہ خطرہ نہیں ہے لیکن ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے سمندری سفر کے خطرات کی وجہ سے حج ترک کر دیا تھا اور بعض علماء نے یہ فیصلہ دیدیا تھا کہ حج ہندوستان کے مسلمانوں پر فرض نہیں ہے۔ ابھی خطبۂ استقبالیہ میں بھی تذکرہ کیا گیا کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مقدس حج کے فریضہ کو دوبارہ شروع کیا، زندہ کیا۔ اس زمانہ میں بادبانی جہاز تھے، اس میں چادریں لگا دی جاتی تھیں۔ ہوا کے رخ پر وہ جہاز چلتے تھے۔ اتنا وقت لگتا تھا کہ بعض مرتبہ حج کا وقت نکل جاتا تھا۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہوا ان بادبانی جہازوں کو کہیں اور پہنچا دیتی تھی۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں حج کی رسم ہی ہندوستان سے ختم نہ ہو جائے اس لئے آپ نے حج کے سفر کا ارادہ کیا، فیصلہ اور اعلان کر دیا کہ جس کا دل چاہے ہمارے ساتھ حج کے لئے چلے، جیسے بھی ہوگا، محنت مزدوری کرنی پڑے گی تو کریں گے مگر حج ضرور کریں گے جو لوگ جائیں گے ان کا کھانا پینا ہمارے ذمہ ہوگا۔ رائے بریلی سے سید صاحب ڈلمئو آئے، کشتی سے ہوتے ہوئے غازی پور آئے اور پھر واپسی میں غازی پور سے گذرنا ہوا۔ انھوں نے حج کے فریضہ کو زندہ کرنے کے لئے اتنا بڑا اقدام کیا جس کی کوئی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں، بادشاہوں کی زندگیوں میں، بزرگوں کے حالات میں نہیں ملتی۔ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے حج کا سفر کیا ہو، اس کی کوئی تاریخ ہمیں نہیں ملتی۔ میں تاریخ کا طالب علم ہوں اور تاریخ نگار بھی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی تاریخ میں کہیں نہیں ملا کہ اتنی بڑی جماعت کے ساتھ کسی نے حج کیا ہو جب سید صاحب کلکتہ پہونچے تو یہ حالت تھی کہ انگریز تک تماشہ دیکھنے آئے۔ مکانات کی چھتوں پر چڑھ کر دیکھ رہے تھے کہ آخر کیا بات ہے۔ یہ کون لوگ ہیں۔ سات سو آٹھ سو آدمیوں کا کھانا سید صاحب کے ذمہ تھا۔ لوگ تو یہ کہہ رہے ہیں، لوگ اسلام لا رہے ہیں۔ عجیب منظر تھا۔ تو یا ایک زلزلہ سا آگیا تھا۔ ذہنی زلزلہ روحانی زلزلہ۔

ہماری گفتگو اور ہمارے دلائل سے مطمئن ہو کر اگر کوئی صاحب یہ فرمانے لگیں کہ مولانا صاحب! آپ کی باتیں ٹھیک ہیں، ہم سے نمازوں یا روزوں کی ادائیگی و پابندی میں کوتاہی ہو جائے سستی ہو جائے لیکن ہم بہرحال مانتے ہیں کہ یہ اسلام کے فرائض ہیں لیکن یہ بھی خیال کیجئے کہ یہ ہماری شہری زندگی ہے، کچھ معاشرتی طریقے ہیں۔ برادرانہ زندگی ہے، پڑوس کے معاملات ہیں برادران وطن سے ہمارے کچھ تعلقات ہیں۔ ہمارے خاندان کے کچھ مخصوص رسم و رواج ہیں ہماری برادری کے مقرر کردہ کچھ ضوابط ہیں۔ ہماری حیثیت عرفی کے کچھ تقاضے ہیں۔ ہم ایک Social Class سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہمیں کم از کم شادی بیاہ اپنے ڈھنگ سے اور اپنی پسند سے کرنے دیجئے۔ اگر آپ بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں تو ظاہر ہے شاندار شادی کریں گے۔ ہزاروں لوگوں کو شادی میں بلائیں گے۔ سیکڑوں لوگ بارات میں آئیں گے لڑکی کو اتنا جہیز دیں گے اور اپنی دولت و ثروت کا ایسا مظاہرہ کریں گے کہ لوگ حیران رہ جائیں گے ولیمہ کی دعوت میں آدھا شہر امڈ پڑے گا۔ آپ یہ کہیں گے کہ ایسے موقعوں پر ہمارے اوپر کوئی

پابندی نہ لگائی جائے، ہم جو چاہیں کریں، جیسے۔ چاہیں کریں۔ جائداد گرو رکھنی پڑے، کھیت بیچنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کوئی ہمارے آڑے نہ آئے تو میں آپ کو بتاتا ہوں اسلام اس کی اجازت بالکل نہیں دیتا۔ اسلام نے زندہ رہنے کا ایک طریقہ بتایا ہے، عبادات کا ایک ضابطہ مقرر کیا ہے، کچھ اصول دئے ہیں حدود مقرر کئے ہیں، آپ اس سے باہر نہیں نکل سکتے۔ پتہ نہیں پھر میرا غازی پور آنا ہو یا نہ ہو، صحت کا اعتبار نہیں، زندگی کا کچھ اعتبار نہیں، ضعیف ہو گیا ہوں اس لئے خیر خواہی کے جذبہ سے جو چیز مسلمانوں کے لئے بہتر سمجھتا ہوں کہہ رہا ہوں تاکہ میرا سفر رائیگاں نہ جائے۔ محنت وصول ہو جائے۔ آپ نے میرے ساتھ جو کریمانہ، عزیزانہ برادرانہ اور شریفانہ سلوک کیا اس کا کچھ شکریہ ادا ہو سکے، اگر میری بات ذرا سخت معلوم ہو تو آپ معاف کریں گے۔ کہیں آپ یہ نہ سوچنے لگیں کہ ہم تو آئے تھے کچھ اور سننے کے لئے۔ صحابہ کے واقعات، بزرگوں کی کرامات، علمی نکتے سننے کے لئے آئے تھے تو خدا کا شکر ہے یہ چیزیں ہمارے لئے کچھ مشکل نہیں ہیں، ایک علمی مرکز سے ہمارا تعلق ہے، دوسرے ملکوں میں جانا ہوتا ہے۔ یونی ورسٹیوں کی سطح کے مطابق، ان کی اکیڈمی کی سطح کے مطابق تقریریں کرنی ہوتی ہیں مگر میں اس وقت آپ سے صاف صاف اور کھری کھری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ بہت ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس میں استثنا ہے ہی نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ عبادات میں تو آپ مسلمان رہیں مگر معاملات میں کچھ اور بن جائیں۔ آپ کو یہ مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے کہ عائلی قانون میں، پرسنل لا میں Social Life میں آزاد روی کا مظاہرہ کریں، جس طریقہ سے چاہیں رہیں، اسی طرح آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ماں باپ بھائی بہن کے حقوق ادا کرنا، بیوی کے حقوق ادا کرنا، پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنا اور اتنے بڑے قانون و دستور اور ضابطہ حیات کی پابندی کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ لفظ اسلام کی جگہ سلم کا استعمال کیا۔ یہ س ل م اسلام کے اصلی حروف ہیں سلم کا مطلب ہے Surrender کرنا یعنی سپردگی۔ اسلام حوالگی کا نام ہے یعنی ہماری مصلحت ہماری خواہش، ہمارا مفاد، ہماری روایات ہمارا طرز زندگی قدیم، ہماری تاریخ یہ چیزیں کوئی سند نہیں ہیں۔ ہم خدا کے بندے ہیں، رسولؐ اسلام کو بحیثیت دین کے ماننے والے ہیں، رسولؐ کے ماننے والے ہیں، اسلامی قوانین کو، اسلامی طریقہ زندگی کو قبول کرنے والے ہیں اور اس کے تمام شعبوں کے ساتھ قبول کریں گے۔ وعظوں اور جلسوں میں یہ باتیں کم کہی جاتی ہیں۔ وہ باتیں جو دل کو خوش کرنے والی ہیں معلومات میں اضافہ کرنے والی ہیں، خطیب کی دھاک بٹھانے والی ہیں، ان کا رعب جمانے والی ہیں وہ کہی جاتی ہیں مگر روزمرہ کی باتیں عملی باتیں کم کہی جاتی ہیں۔

میں نے اپنی تقریر کے آغاز میں جو آیت پڑھی تھی اسی کی تشریح آپ کے سامنے کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ قرآن کا پیغام آپ کے دل میں اتر جائے، آپ کی زندگی میں انقلاب آجائے، آپ کی فکر اور سوچ بدل جائے۔ اسی لئے میں بار بار یہ فقرہ دہرا رہا ہوں کہ مسلمان سو فیصدی مسلمان بن جائیں، وقتی مسلمان نہیں دائمی مسلمان، ہر وقت مسلمان ہر جگہ مسلمان۔ مسلمانوں میں ایک طبقہ ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، اس نے اپنا الگ معاشرہ بنا رکھا ہے، اپنی مرضی کے مطابق، اپنی علمی سطح کے مطابق، وہ قدم قدم پر رعایت اور ریزرویشن چاہتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ غریب طبقہ یا متوسط طبقہ کے مسلمانوں کے ساتھ اسلام کا جو معاملہ یا مطالبہ ہے وہ خوش حال طبقہ کے مسلمانوں کے ساتھ نہ ہو۔ اعلیٰ سطح کے جو لوگ ہیں ان کے لئے اسلام کا کوئی دوسرا ایڈیشن تیار کیا جائے۔ ان پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس طرح چاہیں رہیں سہیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ پاؤں کو مسجد کے اندر رکھ دیا اور سارا دھڑ باہر کر دیا، مسجد کے کنارے کھڑے ہیں اور نہ وضو ہے مطلب نہ نماز سے مطلب اور کہتے یہ ہیں کہ دیکھئے ہم مسجد میں داخل ہو گئے۔ یہ مسجد میں داخل ہونا نہیں ہے۔ مسجد میں پورے جسم کے ساتھ داخل ہو لیجئے۔ مسجد میں داخل ہونے کا جو حق ہے، جو فریضہ ہے، مسجد جس چیز کا مطالبہ کرتی ہے، جس مقصد کے لئے بنائی گئی ہے اس کو پورا کیجئے۔

میرے بھائیو! اسلام ایک مکمل دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ دین اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اس کو عقل پر مصلحتوں پر اور اس ملک کے ماحول پر نہیں چھوڑا گیا ورنہ پھر یہ ہوتا کہ ہندوستان کا اسلام کچھ اور ہوتا مصر کا کچھ اور ہوتا، سعودی عرب کا اسلام اور ہوتا انگلینڈ اور امریکہ کا دوسرا ہوتا۔ اسلام کے ٹکڑے دنیا میں الگ الگ ہوتے۔ آپ آنکھ بند کر کے

دنیا کے آخری کونے تک چلے جائیے۔ جہاں مسلمان ہیں، نماز کے وقت آئے، یہی نہیں کہ آپ وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں بلکہ بے تکلف پڑھا بھی سکتے ہیں، کتنے ہندوستانی ہیں جو عرب ممالک میں امام ہیں۔ ہمارے کتنے مدرس عرب گئے، فضلاء گئے ہیں، خطبہ دیتے ہیں، حج کرتے ہیں، وہاں حج کے طریقے بتاتے ہیں۔ یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔ ہم مراکش گئے، دمشق گئے تو وہاں یونی ورسٹی کی مسجد میں جمعہ کے دن ہم سے نماز پڑھانے کے لئے کہا گیا۔ ہم نے وہاں نماز پڑھائی خطبہ دیا۔ ہمیں نہیں سوچنا پڑا کہ یہاں کس طرح نماز پڑھی جاتی ہے اور کیا کیا کرنا پڑتا ہے، ہمیں نہیں پوچھنا پڑا کہ یہاں خطبہ نماز سے پہلے دیا جاتا ہے یا بعد میں، یہی ایک دین ہے جس کو گائیڈ بک کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام ایک آفاقی اور عالمی دین ہے۔ اسلام ایک UNIVERSAL LAW ہے جو چیز اچھی ہے ہر جگہ اچھی ہے۔ جو چیز بری ہے ہر جگہ بری ہے، جو حرام ہے ہر جگہ حرام ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جو چیز ایک جگہ حرام ہے دوسری جگہ حلال اور جائز قرار دیدی جائے۔

آجکل مسلمانوں نے لاٹری خریدنا شروع کر دیا ہے، جوا کھیلنا، لٹہ آور چنزیں استعمال کرنا، سنیما اور ٹی۔ وی وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا۔ یہ سب برائی ہیں۔ خرابی کی جڑ ہیں۔

ایک بات اور سمجھانا چاہتا ہوں۔ اسلام جغرافیائی تغیر کا قائل ہے نہ تاریخی تغیر کا، یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی تفریق نہیں ہے کہ ایک طبقہ کا دین کچھ ہے اور دوسرے طبقہ کا دین کچھ اور ہے۔ قدیم مسلم گھرانوں کا دین کچھ اور ہے اور نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں کا کچھ اور ہے۔ دین اسلام وہی ایک دین ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے یہ دین عالمی ہے، دائمی ہے، ابدی ہے، اور روحانی و مکانی وطبقاتی ہے۔ اس دین میں کسی کے لئے کسی قسم کی چھوٹ نہیں ہے۔ خلفاء راشدین تھے، سلاطین تھے۔ ہارون رشید ہوں، عالمگیر ہوں، شاہ جہاں ہوں اور کوئی اور بڑے سے بڑا بادشاہ رہا ہو سب کے لئے ایک دین تھا۔ وہی فرائض، وہی ارکان وہی اسلامی تہذیب۔ سلام سب کا ایک یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ السلام۔ یہ نہیں کہ آداب عرض کہہ دیا یا ہاتھ اٹھا دیا۔ اسلام نے پوری دنیا کے لئے ایک نقشہ بنا دیا ہے۔ قرآن موجود ہے حدیث موجود ہے، سیرت موجود ہے، تاریخ موجود ہے۔ مسلمان چودہ سو سال سے اسی پر چل رہے ہیں۔ یہی دنیا کا تنہا دین ہے جس کی شکل اب تک نہیں بدلی ہے۔ دوسرے مذاہب والوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ہمارا مذہب وہ مذہب نہیں ہے جو ہمارے پیغمبر لائے تھے۔ ابھی ایک کتاب شائع ہوئی ہے ISLAM OF THE TRUE CHRISTIANS جس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت سے ہے۔ یہ ایک عیسائی کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کے مصنف نے بھی اعتراف کیا ہے کہ موجودہ CHRISTIANITY سینٹ پال کی بنائی ہوئی ہے رومن میتھالوجی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر لٹکایا جانا یا اسی طرح کی دوسری چیزیں سینٹ پال کی گڑھی ہوئی ہیں۔ اصلی مسیحیت اسلام کے مطابق تھی۔ اس کو تبدیل کیا گیا ہے۔ اسلام واحد مذہب ہے جس میں کوئی ردوبدل نہیں کیا گیا، اپنے ORIGINAL FORM میں آج بھی موجود ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے مجھے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ ہندوستان اکالۃ الامم یعنی قوموں کو کھا جانے والا ہے۔ یہاں جو چیزیں پہنچی ہیں وہ تحلیل ہو جاتی ہیں۔ اپنی اصلی شکل کھو دیتی ہیں۔ یہاں کتنے ہی ایسے مذاہب ہیں جنھوں نے یہاں گھل مل کر اپنی شکل کو کھو دیا۔ ان کو پہچاننا مشکل ہے۔ ہندوستان میں آکر کچھ سے کچھ ہو گئے۔ اسلام الحمد للہ اپنی پوری شکل میں موجود ہے۔ ہم یہاں سے مصمم ارادہ کر کے اٹھیں کہ ہم سو فیصدی مسلمان سو فیصدی اسلام میں داخل ہوں۔ یہ نہیں کہ آدھا اسلام ہو اور آدھا اپنے زمانے کا رسم ورواج ہو، مصلحتیں ہوں، زمانے کے تقاضے ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ہندوستان میں رہیں تو یہاں کی قوموں کی تقلید بھی کریں، ان کا بھی رنگ قبول کریں ان کے ہم رنگ ہو جائیں جس طرح دوسرے لوگ بیاہ شادی کرتے ہیں ہم بھی کرنے لگیں۔ فرق وامتیاز باقی رکھنا پڑے گا۔ گھریلو زندگی ہو یا تجارت کا میدان زراعت ہو یا صنعت وحرفت، قانون ہو یا معاشرتی زندگی، شادی بیاہ کی تقریبات ہوں یا غمی کی ہر موقع پر ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ اسلام کیا چاہتا ہے ہمیں کسی وقت بھی من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہے اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، ہماری نمازیں ہماری عبادتیں اور ہمارا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے۔

یہی حضرت سید احمد شہیدؒ کا پیغام تھا، اسی پیغام کو لے کر وہ غازی پور آئے تھے اور اس شہر کے لوگوں نے اس کو قبول کیا تھا۔ الحمد للہ اس کے اثرات اب بھی پائے جاتے ہیں۔ ہمارے خاندان کے بزرگوں کا اس سرزمین سے جو تعلق رہا ہے اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اچھی طرح واقف ہیں اور ابھی جو خطبہ استقبالیہ پڑھا گیا ہے اس میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس شہر نے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جس طرح استقبال کیا اور ان سے فائدہ اٹھایا اس کی نظیر کم ملتی ہے۔ آپ نے اس تعلق اور رشتہ کو زندہ کیا

اور مجھے آنکھوں پر بٹھایا۔ اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور بطور تحفہ یہ واقعہ نقل کرتا ہوں۔ رائے بریلی میں تکیہ پر حضرت سید احمد شہیدؒ کی جو مسجد ہے وہ بلندی پر ہے، اس کے نیچے دریا بہتا ہے۔ اس کے کنارے ایک پتھر لگا ہوا ہے جو ڈیڑھ دو سو سال پہلے لگایا گیا تھا جس کو سید صاحبؒ آپ کے اسی شہر سے لے گئے تھے اور وضو کے لئے وہاں نصب کیا تھا حضرت سید صاحب اسی پر بیٹھ کر وضو کیا کرتے تھے۔ ہمیں بھی اس جگہ بیٹھ کر وضو کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ غازی پور وہاں بھی موجود ہے۔ غازی پور کا تحفہ اور تبرک وہاں آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ غازی پور کی بعض برادریوں نے شادی بیاہ میں فضول خرچی، دکھاوے اور جہیز کی لعنت سے بچنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور سادگی کے ساتھ چار پانچ آدمی لڑکی کے گھر جاتے ہیں اور نکاح پڑھا کر دُلہن لاتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ پورے ہندوستان میں اس کی تقلید کی جائے۔

آج اسلامی قوانین میں مداخلت ہو رہی ہے، ہمارے پرسنل لا پر حملے ہو رہے ہیں یہ ایک طرح کی سزا ہے جو ہمیں مل رہی ہے کیونکہ ہم نے خود اسلام کے قوانین کو پس پشت ڈال کر من مانی حرکتیں شروع کر دی ہیں۔ ہم خود اس میں ترمیم کرتے ہیں، ہم خود عمل نہیں کرتے، دوسروں سے کیا کہیں۔

ہم مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک خادم اور ترجمان کی حیثیت سے صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم حکومت کو اس کا حق دیتے ہیں نہ عدالت کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ ہمارے قانون جو فی الاصل خدا کا قانون ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اس میں کسی قسم کی ترمیم یا ردوبدل کرے۔

بقیہ:- بیت المقدس

اور اس کی عظمت شان میں اضافہ کریں لہٰذا آپ اپنے پسندیدہ مواقع میں اس کو صرف فرمادیں۔

اس پر ان دونوں کو لکھا کہ بقیہ سونے چاندی کے سرمایہ کو پگھلا کر گنبد پر اس کی ڈھلائی کر دی جائے چنانچہ ویسا ہی کیا گیا اس کے بعد کسی بھی شخص کے لئے زرق برق خیرہ کن سونے کی کثرت کی وجہ سے نظر بھر کر دیکھنا بھی ممکن نہ تھا عمدہ قیمتی چمڑوں

بقیہ:- اداریہ

اسلام کے خلاف بپا ہے یہ طوفان بھی چلتا رہے گا لیکن اسلام پر آنچ نہ آنے پائے گی میٹیں گے وہی جو اسلام کو مٹانا چاہیں گے جیسا کہ ہوتا رہا ہے اور مٹی ہوئی قوموں کی تاریخ اس کی شاہد ہے مخالفتوں اور اسلام کے خلاف سازشوں کے اس طوفان میں فرزندان توحید کا امتحان ہے کہ وہ اس پر جمے رہیں اور ان مخالفتوں سے گھبرا کر ہمت نہ ہاریں خیر امت ہونے کی ان پر جو ذمہ داری ہے کسی اشتعال وجذبات کا شکار ہوئے بغیر اس کو ہمت وحوصلہ کے ساتھ اور ان آداب کے ساتھ جو قرآن کریم اور رسول اسلام نے ان کو بتائے ہیں ادا کرتے رہیں مخالفتوں کے یہ بادل اٹھتے اور چھٹتے رہے ہیں یہ بھی چھٹ جائیں گے۔ اور خدائی مدد آئے گی جیسے اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں آتی رہی ہے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب آئے گی اور کتنے امتحانوں کے بعد آئے گی، بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ لِلّٰہِ جنود السمٰوٰت والارض۔

شرط ہے تو یہ کہ اسلامی احکامات وشعائر پر استقامت کا مظاہرہ کیا جائے اور اپنی امکانی کوشش وکاوش کو کام میں لانے سے دریغ نہ کیا جائے اور جوش وجذبہ کا شکار ہو کر کوئی عاجلانہ ناعاقبت اندیشانہ اور غیر حکیمانہ قدم نہ اٹھایا جائے اخیر میں ترجمان اسلام مولانا سید سلیمان ندویؒ کے قلم کے چند نقوش کو اسلام کی ابدیت کے ثبوت میں عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اسلامیوں کو اپنے اسلام پر اعتماد ویقین حاصل ہو اور اسلام مخالفوں کے لئے غور وفکر کا ایک جھروکا کھلے سید صاحب فرماتے ہیں۔

"اسلام دنیا میں خدا کا آخری پیغام ہے، وہ دنیا میں مذہب کی تکمیل ہے، وہ اپنے پیغمبر کے الفاظ میں دین الٰہی کی عمارت کا آخری پتھر ہے وہ فطرت ہے اور فطرت کے مطابق ہے وہ دنیا میں اس وقت صلح وامن کا جھنڈا اڑاتا آیا جب دنیا خاک وخون میں لتھڑی ہوئی تھی، وہ اس خدا کا منادی ہے، جو رحیم مجسم، عدل مجسم، نیکی محض خیر کل اور امن وامان ہے، وہ ظلم وستم، بے اطمینانی واضطراب۔ شک وشبہ کے طوفانوں سے بھاگ کر، مامن ومأوی کے طلبگاروں کو ایک ہی پناہ کی جگہ بتاتا ہے۔ ففروا الی اللہ۔ ہر طرف سے بھاگ کر اللہ کی طرف جاؤ۔

اسلامی بیداری

امن مقاصد کے لئے ہے، اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

دنیا کے مختلف حصوں میں، اسلام کی تعلیمات کی طرف واپسی کی جو لہر چل رہی ہے وہ ایسی بیداری ہے جو مسلمانوں کے اندر امید و رجا اور ہمت و حوصلہ پیدا کر رہی ہے مسلمانوں نے دنیا کی بدلتی ہوئی اس نئی صورت حال سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں، لیکن دوسری طرف مغربی طاقتیں اور مشرق میں پھیلے ہوئے ان کے سرگرم عمل وکلاء اس سے خوف کھا رہے ہیں اور بری نظروں سے دیکھ رہے ہیں وہ اس سے بدگمانی اور بیزاری پیدا کرنے کے لئے اس کو بنیاد پرستی سے تعبیر کرتے ہیں بنیاد پرستی کے لفظ کو غلط معنی پہنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اسی پر وہ بس نہیں کرتے بلکہ اس کی پوری شدت سے مخالفت کر رہے ہیں اور اس پر روک لگانے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیت طاقت و دولت اور سیاست اور ہر ممکن ہتھکنڈہ استعمال کرنے سے نہیں چوکتے یہ درحقیقت ان کی ناگواری اور اپنے لئے اسے خطرۂ عظیم سمجھنے اور اس سے خوف کھانے کا نتیجہ ہے حالانکہ نہ تو اس سے خوف کھانے کی کوئی وجہ ہے اور نہ ہی اس کو خطرہ سمجھنے کا کوئی معقول سبب۔ کسی ایک قوم کی اپنی معنوی و اخلاقی زندگی کو سنوارنے کے لئے علمی اور اجتماعی جد جہد اس کی باعزت زندگی اور بیداری کی خواہش کا مظہر ہے، اور اس سلسلہ میں اسلام پسندوں کی جانفشانیاں اور قربانیاں دراصل اپنی اصلاح اور اپنے حقوق کے حصول کی کوشش ہے، وہ ایک مثبت اور پرامن مقصد ہے وہ کسی کے لئے کوئی خطرہ نہیں اور نہ کسی کے خلاف کسی قسم کی کوئی جارحیت ہے۔ بلکہ وہ اخلاق فضائل کی اتباع اور دیندارانہ، شریفانہ اور مجاہدانہ زندگی گزارنے کی دعوت ہے، اس کے مخالفین ذرا سنجیدگی سے معلوم کریں کہ اسلامی بیداری کے لئے کوشش کرنے والے کیا کہتے ہیں اور کن ارادوں کا اظہار کرتے ہیں اور وہ دوسرے سے کیا چاہتے ہیں ان کوششوں کے متعلق بغیر تحقیق و تصحیح معلومات کے حصول کے رائے قائم کر لینا صحیح کام نہیں اور یہ کوئی انصاف کی بات نہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ مغربی مفکرین اور سیاسی قائدین اس بیداری کو اپنے لئے خطرہ تصور کرتے ہیں اور اس کی غیر تصویر پیش کر رہے ہیں، ان قائدین سے اگر سوال کیا جائے کہ یہ بیداری کس اعتبار سے خطرہ ہے تو اس کا کوئی واضح جواب ملنا مشکل ہے، اگر یہ خطرہ ظلم و ستم، بگاڑ و فساد، ہلاکت خیزیوں، بداخلاقیوں اور کج فہمیوں کے مقابلہ کے لئے ہے تو واقعی ان کا خیال درست ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ روشنی تاریکیوں کے لئے، خیر کا کام شر کے کام کے لئے اور فضائل رذائل کے لئے یقیناً خطرہ ہیں اور غالباً اہل یورپ اس کو بین طور پر محسوس کر رہے ہیں اور وہ مسئلہ کو اسی پہلو سے دیکھ رہے ہیں پوری اسلامی تاریخ کے جائزہ سے واضح طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی نشأۃ اولیٰ علم و عرفان کی جہاں سوغات لے کر آئی وہیں اس نے قوموں اور امتوں کو ظالم حکام و حکومت کے پنجۂ ستم سے بچانے کی فکر کی، اس نے عدل و انصاف اور فضائل کو سارے عالم میں عام کیا علم و معرفت کی اشاعت کی اور خود عربوں کی زندگی میں پھیلی ہوئی جہالت اور ناخواندگی کا خاتمہ کیا۔ اس کے قائدین و حاملین اسلام نے مشعل علم کی لو کو تیز رکھا یہ وہ وقت تھا کہ پورے عالم میں عام طور پر ظلم و جہالت کا دور دورہ تھا سارا یورپ جو آج روشن علم میں جگمگاتا معلوم ہو رہا ہے جہالت و بربریت و حیوانیت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا اور امریکا کا تو بساط عالم پر کہیں وجود نہ تھا مغرب کی ان ساری ترقیوں اور ان کی علمی تگ و دو کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز علماء اسلام اور مدارس اندلس کے اساتذہ ہی کے سامنے دوزانو مؤدب بیٹھنے کا نتیجہ ہے جن کے نقوش مغربی علوم و فنون کی جڑوں میں اور ان کے سائنسی علوم کی بنیادوں میں موجود ہیں۔ ان کے انکشافات عموماً علمائے اسلام کی پیش کردہ تصوری پر قائم ہیں یہ صحیح ہے کہ اہل مغرب کی موجودہ ترقیوں کے ساتھ مسلمانوں کو سائنسی میدان میں بہت زوال ہوا اور وہ علوم اجتماعیہ میں قائدانہ حصہ لیتے رہنے سے (شعوری یا غیر شعوری طور پر) محروم ہوتے چلے گئے۔

لیکن مسلمان اب خواب غفلت سے بیدار ہو رہے ہیں اور انھوں نے جد و جہد اور کارزار حیات میں باقاعدہ دوبارہ قدم رکھا ہے، نصف

صدی قبل انھیں جس پسماندگی، ناخواندگی قومی پستی کے طعنے دیئے جاتے تھے اس سے نکلنے کی وہ کوشش کر رہے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ صحوۂ اسلامیہ (اسلامی بیداری) مسلمانوں کا زندگی کے میدان میں اپنی ناتوانی اور پچھڑے پن کے شعور کا نتیجہ ہے اور یہ جد و جہد اپنی عظمت رفتہ کی بازیافت کی ایک کوشش ہے۔ (یہ بات ذہن نشیں رہے) کہ کوئی بھی قوم اپنی حالت کے سدھار اور اپنی صلاحیتوں کی ترقی اور اپنے ہم چشموں کے درمیان بلند مقام کے حصول کے لئے اگر جد و جہد سے کام لیتی ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی دوسری قوم کی ترقی میں مزاحم ہو رہی ہے۔ اور اس کے لئے خطرہ کا سامان مہیا کر رہی ہے (صدیوں پر محیط) اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان ہمیشہ غیر قوموں کے حق میں معاون و مفید ثابت ہوئے ہیں اور ان کی ترقی اور بہتری کے لئے انھوں نے جلیل القدر خدمات انجام دی ہیں مگر اغیار کا حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے تئیں ان کی معاندانہ روش ہمیشہ قائم رہی اور ان کے تشخص کو داغدار کرنے اور ان کی اجتماعیت کو پارہ پارہ اور ان کی طاقت کو ختم کرنے کی کوشش کبھی ختم نہ ہوئی۔

دنیا کے مختلف خطوں میں جاری سیاسی اور دینی بیداری جو مسلمانوں میں نظر آ رہی ہے سوائے اپنے کھوئے ہوئے وقار کی بازیافت اور آزادانہ مذہبی حقوق اور انسانی عزت و احترام کے حصول کی کوشش کے اور کچھ نہیں اس سے مسلمانوں کو بڑی طاقتوں نے اس وقت سے محروم کر رکھا تھا جب سے ان کی توسیع پسندانہ ذہنیت نے مشرقی ممالک کی قوموں کو اپنا سامراج بنا لیا تھا اور ان کو ان کے اس ظلم و زیادتی سے باز رکھنا اور ان کو ان کے قبضہ کئے ہوئے ان مشرقی ملکوں سے بے دخل کرنا، مسلمانوں اور مشرقی قوتوں کو سخت مشکل معلوم ہو رہا تھا بالآخر انتہائی تلخ تجربوں، انتھک کوششوں، آخری درجہ کی جانفشانیوں اور مسلسل قربانیوں کے بعد مسلمانوں نے انھیں اپنے علاقوں کے اخلاء پر مجبور کیا تھا۔ لیکن جب وہ یہاں سے نکلے تو سیاسی اور اقتصادی میدان میں اپنے ایسے نمائندے متعین کر گئے جنھوں نے اپنی مریضانہ ذہنیت کی وجہ اور دولت و ثروت کی طاقت اور میڈیا کے بل بوتے پر غلامانہ ذہنیت پیدا کرنے میں نہایت اہم پارٹ ادا کرتے رہے اور اپنی ادبی، صحافتی اور ذرائع ابلاغ کے دیگر وسائل کی وجہ سے موہوم و معدوم کو موجود اور رائی کا پربت بنا کر دکھاتے رہے۔

اگر غور کیا جائے تو ان کی یہ ساری کارستانیاں موجب حیرت نہیں کیونکہ ملحدانہ افکار و نظریات کے حامل مغرب کے لئے ممکن نہیں کہ وہ کسی ایسی بیداری (جو مذہبی فکر پر مبنی ہو) کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھے، وجہ صرف یہ ہے کہ مغرب کی پوری زندگی نری مادیت پرستی، نفس پروری، ابن الوقتی سے عبارت ہے جو دینداری کے اصول و آئین کی بالادستی، سرفروشانہ زندگی بے غرضی اور آخرت طلبی سے میل نہیں کھاتی، مغرب کی اسلامی بیداری سے ازلی بیر اس لئے بھی ہے کہ اسلام ایک ایسے نظریہ کی تشکیل کرتا ہے جو بین طور پر مادہ پرستانہ مغربی نظریہ کی ضد ہے اور یہ دونوں نظریہ فکر و عمل کے کسی بھی خطہ پر نہیں ملتے۔ تجربات سے ثابت ہے کہ ایثار و بے غرضی کے سامنے ابن الوقتی اور جذبہ خود پرستی ماند پڑ جاتا ہے۔ اور قربانی، خیر اندیشی، آخرت طلبی کے آگے مفاد پرستی سرخم کر دیتی ہے۔

زمانۂ ماضی میں مغرب اور مسلمانوں کے درمیان وہ طویل فوجی نبرد آزمائی رہی ہے ان سے مغرب کو فکر اسلامی کی طاقت و استقامت کا خوب اندازہ ہے لہٰذا اگر مغرب کو صحوۂ اسلامیہ سے خوف ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ پھر یہ کہ ان کا سارا خوف مادی مصالح و مفاد کے حصول و بقاء کی بنیادوں پر قائم ہے۔ لیکن تعجب تو مغربی نظریات و افکار کے حامل امام مغرب کے ان پیروکاروں اور مقتدیوں پر ہوتا ہے جو اس مغربی فلسفۂ زندگی پر یقین رکھتے ہیں جو مرتع اسلامی تصور کے خلاف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین اسلام کی ماہیت اور حقیقت اور اہل یورپ کے شاطرانہ ذہنیت سے بے خبر ہیں۔ یا پھر مغرب کے ایسے دباؤ میں ہیں کہ وہ اپنی فکر اور اپنے ذہن سے کوئی اقدام کرنے پر قادر نہیں اور وہ صرف ان آقاؤں کی ہدایات کی پابندی کرنے پر مجبور ہیں، اور حقیقت حال کو سمجھتے ہوئے کہ وہ اپنی قوم اور اپنی ثقافت اور اپنے ہی مذہب کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں، مغرب کے مشوروں کو قبول کر رہے ہیں۔

جہاں تک ان تشدد پسندانہ سرگرمیوں کا تعلق ہے۔ جن کا ان کارروائیوں کے جواز کے لئے ذکر کیا جاتا ہے اور جن کو پریس اچھالتا رہتا ہے، ان کا تعلق اسلامی فکر اور طرز عمل سے نہیں ہے، یا وہ بعض نوجوانوں کا ردعمل ہے جو حکومتوں کے پرتشدد اقدامات سے برگشتہ ہیں دعوت اسلامی، دہشت گردی، ظلم و زیادتی پر ایمان نہیں رکھتی، قرآن کریم نے روز اول سے اعلان کر دیا ہے "لا اکراہ فی الدین" یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومتوں اور طاقتوں نے کبھی جبر و اکراہ کا استعمال نہیں کیا اگرچہ اس کی وجہ سے اسے بھاری قیمت چکانی پڑی بسا اوقات اپنے مقاصد میں انھیں ناکامی ہوئی اگر اسلامی

طاقتیں جبر و قہر سے کام لینیں تو شام میں کسی عیسائی اور برصغیر ہند میں کسی ہندو کا وجود مشکل تھا حالانکہ مسلمانوں نے ان دونوں ملکوں پر صدیوں حکمرانی کی ہے۔ اسلام سے متعلق ساری کوششیں پرامن دعوت، ذہن سازی اور اسلام کی حقانیت کو اجاگر کرنے پر مبنی ہے اور تاریخ اسلامی سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ اسلام کی شہرت اور اس کی نشر و اشاعت سب کی سب اپنی دعوتی اسپرٹ اور علمی و عملی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

جہاں تک جہاد کا تعلق ہے تو مسلمانوں نے اس کی ابتدا اس وقت تک نہیں کی جب تک کہ اعدائے اسلام نے انھیں ایسا کرنے پر مجبور نہ کر دیا اور جہاں تک اس پھیلی ہوئی دہشت گردی کا تعلق ہے جس کا طعنہ مغرب اور اس کے ہم نوا مسلمانوں کو دیتے رہتے ہیں وہ بھی دراصل مغرب اور ان کے شاگردوں کی پیدا کردہ گھٹیا سیاست اور امت مسلمہ کی تہذیب اور ان کے عقائد و حقائق اور روایات کے تئیں ان کے حکمرانوں کے ظالمانہ رویہ کی برچھائیاں ہیں اور اس کا مظاہرہ کبھی مسلم قوانین کے پردے پر روک لگانے ان پر چھینٹ اڑانے اور کبھی مسلم پرسنل لا کو داغدار بنانے کی مذموم کوشش، کبھی قوانین طلاق کی مضحکہ خیزی اور فرسودہ اور جاہلانہ عمل ثابت کرنے، کبھی ان کے کسی قلم کار کا رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی تنقیص اور کتاب اللہ کی بے داغ حیثیت کو میلا کرنے کی کوشش سے ہوتا رہتا ہے۔ کیا یہ سب ایسے عوامل نہیں کہ مسلمانوں کے جذبات اور ان کی غیرت و حمیت کو مشتعل کر دے، ان کی انا کو ٹھیس پہونچائے اور ان کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھے، کیا ان کے شریانوں میں خون کی گردش نہیں ہو رہی ہے، کیا وہ اینٹ پتھر کے بنے ہوئے ہیں آخر ان کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی کتاب مقدس کی توہین اور رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو داغدار ہوتے ہوئے کھلی آنکھوں دیکھتے رہیں جب کہ ان میں نوخیز عمر کے اور ذکی الحس نوجوان موجود ہیں جن کی چھیڑ خوانی دراصل آگ پر تیل چھڑکنے کے مرادف ہے۔ جب وہ اپنی کتاب مقدس کی تقدیس اور اپنے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے تحفظ کے لئے اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں تو پہلے ان پر دہشت گردی اور تشدد پسندی کا الزام عائد کر دیا جاتا ہے۔ پھر ان کو تازیانے لگائے جاتے ہیں انھیں پس زنداں کیا جاتا ہے، ان پر کوہِ ستم توڑے جاتے ہیں ہر وہ شخص جو ظلم و زیادتی کی چکی سے گذرے گا وہ یقیناً غضب ناک ہوگا اور اس کے افراد خاندان غمگین ہوں گے اور ان کے جذبات اپنے مظلوم بھائی کے جذبات سے ہم آہنگ ہوں گے یہی وجہ ہے کہ ظالموں کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کرنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور تمام حدود و قیود ان کے زیر قدم آگئے ہیں لیکن انصاف سے بتائیے کہ اس کا سبب کون بن رہا ہے، کیا ان ظالمانہ، ستمگرانہ اقدامات اور تحقیر آمیز رویہ کو سبب قرار نہیں دیا جا سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ ظالموں کی یہی دہشت گردی مظلوموں کو تشدد پسند بناتی ہے۔

اہل مغرب کا یہ خیال درست نہیں کہ ان تشدد پسند انہ سرگرمیوں کا باعث اسلامی بیداری کی جارحانہ سیاست ہے، اسلامی اصول و آئین یا پھر اسلام پسندوں کی اپنے دین اسلام پر کاربند رہنے کا عزم ہے بلکہ اس کا حقیقی سبب مغربی مصنفین اور ذرائع ابلاغ سے تعلق رکھنے والے وہ ستمگر ہیں جنھیں شرفاء کی شرافت اور مذہب پسندوں کی دینداری کا ذرہ برابر پاس و لحاظ نہیں اس کا سبب ان مغربی لیڈروں اور ان کے ہم نواؤں کی وہ پرزہ سرائی جفا جوئی ہے جو وہ اسلام پسندوں کے تئیں مسلسل جاری رکھتے ہیں، اپنی جیت سمجھتے ہیں۔ اور یہ چیز ان داعیان حق اور حاملین عزو شرف اور مصلحین امت اور امت اسلامیہ کے حقوق کے پاسبانوں کے سلسلہ میں اور بھی کھل کر سامنے آتی ہے جو کتاب و سنت کے مطابق زندگی کو ڈھالنے، سنوارنے کے لئے پوری دنیا میں جد وجہد کر رہے ہیں اور علم و ادب، تہذیب و ثقافت اور سیاست و صحافت کی راہ سے سامراج صفت مستشرقین کے فکری حملوں کا بھرپور مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، آخر ان میں کون سی اجنبیت ہے؟ کیا یہ کوئی قابل نفریں عمل ہے؟ کون ایسا انسان ہے جو جائز حقوق کے مطالبہ کو امر مستحسن نہ سمجھتا ہو تو پھر آخر کیوں جب مسلمانوں میں اس سلسلہ میں کوئی حرکت پیدا ہوتی ہے تو یہ چیرہ دستانِ اہل حکومت و سیاست ان کو بنیاد پرستی کا الزام دیتے ہیں، بنیاد پرستی کا لفظ اپنی اصل کے لحاظ سے کوئی برا لفظ نہیں، اپنی بنیاد سے جڑے رہنا اور اپنی بنیاد کو مضبوط کرنا تو اچھا عمل ہے لیکن ان لوگوں نے اس کو ناپسندیدہ مفہوم میں استعمال کر دیا ہے اور اس کے پس پردہ جو جذبہ اور جو مقصد رکھا ہے وہ نہایت مذموم ہے۔

ایک طرف یہ ہے دوسری طرف مسلم ممالک میں عیسائی مشنریوں کے جال بچھے ہوئے ہیں اور پورا انڈونیشیا تبشیری ذرائع سے پٹا ہوا ہے۔ اور لوگوں کو مادی ترغیبات دی جا رہی ہیں اور ان کے فقر و افلاس سے فائدہ اٹھا کر ان کا مذہبی استحصال کیا جا رہا ہے یہی حال بنگلہ دیش، افریقہ کے مختلف ممالک کا ہے وہاں عیسائیت کی تبلیغ زور و شور سے جاری ہے۔ اور یہ سب بڑی متمدن طاقتوں کے زیر سایہ انجام

دیا جا رہا ہے لیکن انھیں بنیاد پرستی کا الزام نہیں دیا جا رہا ہے کیونکہ اس کی پیٹھ پر امریکہ، فرانس اور برطانیہ کا دست شفقت کام کر رہا ہے لیکن بے چارے مسلمان جب اپنے مذہب اپنے امتیازات کے تحفظ کے لئے کوشش کرتے ہوئے کہیں نظر آجاتے ہیں تو وہ فوراً بنیاد پرست ٹھہرتے ہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ اس کی پشت پناہی کوئی باغیرت مسلم حکومت، نہیں کرتی کیونکہ مسلم حکومتیں خود ہی ان کافر طاقتوں سے لرزاں و ترساں رہا کرتی ہیں۔

پھر یہ طاقتیں انھیں نہج طرازیوں پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ جب مسلم نوجوانوں میں اہانت اسلام اور اسلامی شعائر اور معتقدات کی ہتک کے نتیجہ میں رد عمل پیدا ہوتا ہے اور اپنے مذہبی حقوق کی پامالی کی وجہ سے برانگیختہ ہوتے ہیں تو اس کو دبانے، کچلنے کے لئے یہ طاقتیں تمام تر قہر مانیوں سے کام لیتی ہیں اس کو سرکشی کا نام دیتی ہیں اور سختی سے نمٹنے اور سخت ایکشن لینے سے کبھی گریز نہیں کرتیں اور اس قدر تختہ مشق ستم بنا دیتی ہیں کہ مسئلہ اور بگڑ جاتا ہے اور جب مظلوموں کا غصہ ظاہر ہونے لگتا ہے تو اس کو سامراجی طاقتیں اسلامی دہشت گردی سے تعبیر کرتی ہیں اور بنیاد پرستی کا نتیجہ قرار دیتی ہیں۔ ہر وہ شخص جو اسلامی اصول و آئین کے پاس و لحاظ کی دعوت دے وہ بنیاد پرست، دہشت گرد ٹھہرتا ہے ان کو اور اسلامی بنیاد پرستی کا خاتمہ لابدی سمجھا جاتا ہے کیونکہ ان کی نظر عدل گستر میں یہی دہشت گردی کا سبب واقعی ہے اور یہی عمل ان کی جمہوریت نوازی کی علامت ہے حالانکہ یہودی بنیاد پرستی دہشت گردی کا الزام نہیں دیتا کیس یہ بے چارے مسلمان ہیں جو بنیاد پرست اور دہشت گرد کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

مغرب اور مغرب زدہ حضرات کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بات کو پوری سنجیدگی اور معقولیت کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں کہ جس کو وہ دہشت گردی اور بنیاد پرستی کا نام دینے نہیں تھکتے وہ دہشت گردی نہیں بلکہ وہ ان کی ظالمانہ سیاست اور علم و ادب اور ثقافت کے میدان میں ان کی ایجنسیوں کی زیادتیوں کا نتیجہ اور رد عمل ہے جب بھی کوئی تشدد پسندانہ سرگرمی وجود میں آتی ہے تو یقیناً وہ مغربی استعماری شاطرانہ سیاست کی کھلی ظلم و تعدی اور دہشت گردی کا نتیجہ ہوتی ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ظلم و جور اور طاقت اور بربریت کے ذریعہ اپنے مخالفین کو دبانے سے کوئی فائدہ نہیں جذبات اور دلوں کے غصے کو طاقت سے کبھی دبایا نہیں جا سکا ہے اور اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ ظلم و تعدی کے سامنے پوری استقامت اور اپنے پورے وجود کے ساتھ زندہ رہا ہے اور آج بھی ان تمام ستمگرانہ اقدامات کے باوجود چٹان کی طرح جما ہوا ہے، اور آخر میں عزت و کامیابی و سرفرازی اسی کے ماننے والوں کو ملے گی اور اللہ تعالیٰ نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے۔

"وانتم الاعلون ان کنتم مومنین"
سرفرازی اور بلندی والے تم ہی ہوگے
اگر تم اخلاص و ایمان سے مزین ہوگے۔

بقیہ: کاروانِ زندگی

انھیں شکاگو کی مذاہب کی بین الاقوامی کانفرنس سے متعلق مصنف کے بیان و تاثر کے پس منظر میں پڑھئے تو ان اشعار کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے:

یاد آیا ہے کہ بودم در خمستانِ فرنگ
جام اور روشن تر از آئینۂ اسکندر است
جلوۂ او بے کلیم و شعلۂ او بے خلیل
عقلِ نا پروا متاعِ عشق را غارتگر است
در ہوایش گرمیٔ یک آہ بیتابانہ نیست
زندہ این میخانہ را یک لغزش مستانہ نیست

اکتوبر ۱۹۹۳ء میں جے پور میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے سالانہ اجلاس میں حضرت مولانا کا خطبۂ صدارت کئی لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے اور پڑھنے اور غور و فکر کا مستحق ہے، خاص طور پر ان "روشن خیال" اور "ترقی پسند" مسلمان اہل قلم کو اسے بار بار پڑھنا چاہیے جن کا مطالعہ اسلام کے عائلی قوانین سے متعلق نہایت ناقص اور محدود ہے۔

ترکی اور ازبکستان سے متعلق مصنف کے تاثرات اور تاریخ اسلامی کے علمی و مذہبی آثار اور مستقبل میں ان علاقوں سے حوصلہ افزا امکانات کی امید کا تذکرہ بڑا معنی خیز ہے، لیکن اسی کے ساتھ کتاب کے آخری صفحات میں اس المناک حقیقت کا بھی تذکرہ ہے جو عالم عربی کے کئی ممالک میں اسلام کی بحالی و برتری کی جد و جہد کی مخالفت کی صورت میں سامنے ہے۔ نجی مجلسوں میں بھی اکثر اس سلسلے میں فاضل مصنف کی بے چینی اور فکرمندی کا اظہار ہوتا رہتا ہے۔ انھوں نے اس صورت حال کا تجزیہ بھی کیا ہے اور ان عرب ملکوں کے ارباب اقتدار کو مشورے بھی دیئے ہیں، اور یہ انتباہ بھی کہ اگر اسلام اور اسلامی تعلیمات کے سلسلے میں ان کا رویہ مخالفانہ و معاندانہ رہا تو وہ سراسر خسارہ میں رہیں گے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ انتباہ اس ایمان و یقین پر مبنی ہے جس کی معجز نمائیوں کی شاہد تاریخ عالم ہے۔

حیات بعد الممات

سائنس کی روشنی میں

ڈاکٹر صفیہ نسیم۔ اسسٹنٹ ڈائرکٹر سی۔ڈی۔آر۔آئی

"اے لوگو! اگر تم کو قیامت کے دن موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے امکان پر شک و شبہ ہے کہ ہمارے مردہ جسم سڑ کر مٹی بن جائیں گے تو پھر کیسے دوبارہ جی اٹھیں گے۔ تم ذرا اپنی پیدائش (کے مسلسل تطورات) پر غور کرو کہ ہم نے تم کو خاک دھول سے پیدا کیا۔ یعنی اول تو تمھارے جدِ اعلیٰ کی تخلیق مٹی سے کی اور اس کے بعد ہر آدمی کو قطرہ سے پیدا اور نطفہ (قطرہ) خون سے بنتا ہے اور خون غذا سے جس کا مادہ تخلیق عناصر ارضیہ ہیں ذرا سوچو تمہاری زندگی کا آغاز مٹی ہی سے تو ہوا تھا جس نباتات (غذا) اور خون کی منزلیں طے کر کے نطفہ بنا (جو ایک خورد بینی کیڑا تھا) جو جونک کی طرح چمٹ کر رحم مادر میں سے خون جو ستا رہا اور بڑھتا ہوا شکلیں بدلتا رہا۔ پہلے جمے ہوئے خون کا لوتھڑا پھر بوٹی سی بن گئی جس میں بتدریج تغیرات ہوتے گئے پھر ایک وقت آتا ہے جب آدمی کا پورا نقشہ (ہاتھ، پاؤں، انگلیاں، ناخن کان۔ آنکھ۔ ناک۔ منہ وغیرہ) سب کچھ تیار ہوتا جاتا ہے اور ایک وقت وہ تھا جبکہ وہ پورا نہیں بنا تھا۔" (۲۲: ۵ تا ۷)

"اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے پھر ہم نے رکھا اسکو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا۔ پھر بنائی اس لہو سے گوشت کی بوٹی۔ پھر بنائیں اس بوٹی سے ہڈیاں، پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت پھر کھڑا کیا اسکو ایک نئی صورت میں سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے، پھر تم اس کے بعد مروگے، پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے۔" (۲۳: ۱۲ تا ۱۶)

مادہ حیات، پروٹوپلازم (Pirato Plasm)

ایک بہت ہی پیچیدہ مادہ ہے جو پانی سے مرکب ہوتا ہے۔ یہ بہت سے نامیاتی (Organic) اور غیر نامیاتی (Inorganic) مادوں سے مرکب ہوتا ہے۔ نامیاتی مادوں میں نمیہ نشاستہ چکنائی اور Nuleic Acids ہوتے ہیں اور غیر نامیاتی مادوں میں Phosphorous۔ Sodium۔ Magnesium۔ Clacium۔ Potassium۔ اور کچھ دیگر مادے شامل ہیں مادہ حیات، پروٹوپلازم کے یہ اجزائے ترکیبی بذات خود حیات نہیں رکھتے لیکن جب یہ ایک متعین طرز پر منظم ہو جاتے ہیں تو زندگی کا ظہور ہوتا ہے جس کی طرف کلام پاک میں نشاندہی کی گئی ہے۔

"اور تو ہی بے جان چیزوں سے جاندار کو نکالتا ہے۔" (۳: ۲۷)

اس کا مطلب یہ ہے کہ پروٹوپلازم کے اندر ایک نہایت ہی منظم نظام موجود ہے۔ اس کے مجموعہ کو خلیہ (Cell) کہتے ہیں اس کے اندر ایک مرکزہ یعنی Nucleus اور ایک جھلی پائی جاتی ہے اور یہ دونوں خلیہ کی زندگی کے لئے نہایت اہم ہیں۔ اب ذرا غور کیجئے کہ حیوانوں اور انسانوں کے مادہ حیات کے تمام عناصر ارضیہ ہیں۔ انھیں مردہ عناصر کو غذا بنا کر نطفہ بنا پھر نطفہ سے کئی درجے طے کر کے انسانی تشکیل و تخلیق ہوئی اور بچہ ظہور میں آیا پھر یہی بچہ دودھ سبزی۔ اناج، پھل اور گوشت وغیرہ کھا کے قوت اور توانائی حاصل کرتا ہے اور اس سے پھر وہی نطفہ پیدا ہوتا ہے جس سے بچہ بنتا ہے جو غذا ہضم کر کے جوان ہوتا ہے اور پھر کمال پر پہونچکر زوال کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ بڑھاپے میں نیم جاں ہو جاتا ہے اور بالآخر مر جاتا ہے۔

خورد بینی مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ انسان کا رقیق مادہ تخلیق جسے قرآن میں "نطفہ" کہا گیا ہے، ان گنت خورد بینی کیڑوں (Sperm) کا مجموعہ ہے۔ انھیں کیڑوں کے اندر قدرت نے تناسل کی وہ اعلیٰ ترین مشینری رکھی ہے جو انسان کے نوعی امتیازات اور موروثی خصوصیات کو ایک فرد سے دوسرے فرد میں منتقل کرتی رہتی ہے یہی کیڑے انسانی وجود کی تخلیق کا ذریعہ ہیں۔ الکٹرونک خوردبین (Electron maersc%e) میں دیکھنے کے بعد بھی ان کیڑوں میں زندگی کے آثار نہیں ملتے اور یہ باور کرنا مشکل ہے کہ یہ انسانی وجود کا بیج ہو سکتا ہے مگر درحقیقت اسی سے ایک مکمل اور باشعور انسان وجود میں آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صناعی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے

انسان کی تشکیل ایک مرکب خلیے سے ہوتی ہے جو مرد اور عورت دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔ جرثومہ حیات (Sperm) مردانہ تناسل میں کسی حرکت کا مظاہرہ نہیں کرتے

لیکن رطوبت منویہ (Semen) کے اخراج کے ساتھ ہی ان میں نقل و حرکت شروع ہو جاتی ہے عام حالت میں رطوبت منویہ کی تعداد ۳ سے ۴ سی سی (Cubic Centi meter) ہوتی ہے اور ایک سی سی میں ۴۰ سے ۱۵۰ ملین (Million) تک یہ جرثومے حیات ہوتے ہیں اور ہر جرثومہ حیات اپنے اندر ایک مکمل انسان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر اس میں کا صرف ایک ہی اس عمل میں کام آتا ہے یہ خدا کی حکمت و خلاقیت کا وہ بلند مقام ہے جس کا تصور بھی انسانی ذہن کے لئے محال ہے۔

اب تخلیق کے تدریجی دور پر نظر ڈالئے۔ رحم مادر کے قریب بیضہ دانی (Ouary) ہوتی ہے جہاں بیضۂ انثیٰ (Ouum) بنتا ہے۔ یہ سائز میں نطفہ سے بڑا ہوتا ہے اس میں بھی نوعی امتیازات اور موروثی خصوصیات کو منتقل کرنے کی پوری مشینری موجود ہوتی ہے۔ بظاہر بے جان ہوتا ہے۔ یہ دو جھلیوں میں ملفوف ہوتا ہے اندرونی جھلی اور بیرونی جھلی اسی بیرونی جھلی کو چھید کر جرثومۂ حیات بیضہ دانی میں داخل ہوتا ہے۔ اور اس میں موجود بیضہ انثیٰ سے مل کر اس کو حاملہ (Fertilize) کر دیتا ہے، اس عمل کو Fertilization کہتے ہیں نطفہ اور بیضہ انثیٰ کے باہم ملاپ سے ایک مرکب خلیہ (Zygote) وجود میں آتا ہے۔ اور یہی حیات کا نقطۂ آغاز ہے۔

اس باہم ملاپ کے بعد حاملہ بیضہ دو مساوی خلیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان خلیات میں تقسیم در تقسیم کے نتیجے میں خلیات کا جھنڈ بن جاتا ہے جو بارہ خلیات پر مشتمل ہوتا ہے، یہ بارہ خلیاتی مجموعہ استقرار حمل کے ۲، گھنٹے بعد رحم (Uterus) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس مجموعے میں رطوبت جمع ہونی شروع ہوتی ہے جو پھیل کر ایک جوف کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس مقام پر یہ ہونچکر بیضہ ۴۰ خلیات پر مشتمل ایک کروی مجموعے میں تبدیل ہو جاتا ہے اور طول میں بڑھنے لگتا ہے اور ایک لمبی چیز کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے جسکو (Embryo) کہتے ہیں اس کے دونوں سرے کسی قدر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں قرآن نے جس کو علقۃ سے تعبیر کیا ہے، جو جونک کے لئے مستعمل ہے جس میں ہڈی نہیں ہوتی محض ایک لوتھڑے کی طرح لمبان ہوتی ہے جو خون پی پی کر ایک نقشہ بنی ہوئی بوٹی کی طرح ہو جاتی ہے، یہ رحم کی مخاطی جھلی (Mucous Membrane) میں پیوست ہو جاتا ہے پھر اس میں بڑی تیز رفتاری سے تقسیم در تقسیم کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اور خلیے تین تہوں کی شکل میں مرتب ہو جاتے ہیں جو آگے چل کر جنین (Foetus) کے مختلف اعضاء اور نظام بنتے ہیں اوپری حفاظتی تہہ (Ectoderm) سے جلد دماغ، نخاع اور اعصاب وغیرہ بنتے ہیں درمیانی تہہ (Mesoderm) سے ہڈیاں عضلات خون کی نالیاں اور Connective Tissue

اندرونی تہہ (Endoderm) سے نظام ہضم اور دیگر اعضاء بنتے ہیں ان متعدد خلیوں سے یکساں ساخت اور افعال رکھنے والے خلیے ملکر Tissue بناتے ہیں اور بہت سے Tissue ملکر ایک عضو کی تکمیل کرتے ہیں۔ کئی اعضاء ملکر ایک نظام بناتے ہیں۔ اور اسی متعدد نظاموں کے مجموعے کو جسم کہتے ہیں۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ مختلف قسم کے خلیوں سے مختلف قسم کے Tissue اور متعدد Tissue سے مختلف اعضاء بنے مگر دل کے خلیے دماغ کے خلیوں سے مختلف۔ دماغ کے خلیے جگر کے خلیوں سے مختلف اور جگر کے خلیے ہڈی کے خلیوں سے مختلف ہوتے ہیں جبکہ سب میں کاربن۔ ہائیڈروجن۔ نائیٹروجن۔ آکسیجن اور کچھ نمکیات موجود ہوتے ہیں مگر انھیں اجزا کی الگ الگ ترکیب سے مختلف عضو تکمیل پاتے ہیں جن کا دائرۂ عمل بھی دوسرے سے الگ ہوتا ہے جس طرح ان تکوینی تغیرات میں شکل اور ترتیب وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہے باقی صفحہ ۳۰ پر

آپ کی خدمت میں جدید و دلکش
سونے چاندی کے زیورات کے لیے
ہمارا نیا شوروم
گہنہ پیلس
حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد معروف خاں
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
267910
فون نمبر۔ ۲۶۷۹۱۰

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

قادیانیت

(۳)

اسلام اور نبوتِ محمدیؐ کے خلاف ایک بغاوت

ختم نبوت انعام خداوندی اور امت اسلامیہ کا امتیاز ہے

یہ عقیدہ کہ دین مکمل ہو چکا ہے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں، اور یہ کہ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمل نظام ہے، ایک انعام خداوندی اور موہبت الٰہی تھا، جس کو خدا نے اس امت کے ساتھ مخصوص کیا، اسی لیے ایک یہودی عالم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس پر بڑے رشک اور حسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ "قرآن کی ایک آیت ہے، جس کو آپ لوگ پڑھتے رہتے ہیں، اگر وہ ہم یہودیوں کی کتاب میں نازل ہوتی اور ہم سے متعلق ہوتی تو ہم اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اپنا قومی تہوار اور یوم جشن بنا لیتے"۔ اس کی مراد سورۂ مائدہ کی اسی آیت "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" سے تھی، جس میں ختم نبوت اور تکمیل نعمت کا اعلان کیا گیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نعمت کی جلالت و عظمت سے اور اس اعلان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا، صرف اتنا فرمایا کہ ہمیں کسی نے یوم مسرت اور تہوار کی ضرورت نہیں، یہ آیت خود ایسے موقع پر نازل ہوئی ہے، جو اسلام میں ایک عظیم الشان اجتماع اور عبادت کا دن ہے، اس موقع پر دو عیدیں جمع تھیں، یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) اور روز جمعہ۔

ذہنی انتشار سے حفاظت

اس عقیدہ نے اسلام کو انتشار پیدا کرنے والی اور ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والی ان تحریکات اور دعوتوں کا شکار ہونے سے بچایا جو تاریخ اسلام کی طویل مدت اور عالم اسلام کے وسیع ترین رقبہ میں وقتاً فوقتاً سر اٹھاتی رہیں، اسی عقیدہ کا فیض تھا کہ اسلام ان مدعیان نبوت اور محرفین اسلام کا بازیچۂ اطفال بننے سے محفوظ رہا جو تاریخ کے مختلف وقفوں اور عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں پیدا ہوتے رہے۔ "ختم نبوت" کے اسی حصار کے اندر یہ ملت ان مدعیوں کے دستبرد اور یورش سے محفوظ رہی جو اس کے ڈھانچہ کو بدل کر ایک نیا ڈھانچہ بنانا چاہتے تھے، اور وہ ان تمام سازشوں اور خطرناک حملوں کا مقابلہ کر سکی جن سے کسی پیغمبر کی امت اس سے پہلے محفوظ نہیں رہی اور اتنے طویل عرصہ تک اس کی دینی اور اعتقادی وحدت اور یکسانی قائم رہی، اگر یہ عقیدہ اور یہ حصار نہ ہوتا تو یہ امتِ واحدہ ایسی مختلف اور متعدد امتوں میں تقسیم ہو جاتی، جن میں سے ہر امت کا روحانی مرکز الگ ہوتا، علمی و تہذیبی سرچشمہ الگ ہوتا، ہر ایک کی الگ تاریخ ہوتی، ہر ایک کے الگ اسلاف اور مذہبی پیشوا اور مقتدا ہوتے، ہر ایک کا الگ ماضی ہوتا۔

ختم نبوت کا زندگی اور تمدن پر احسان

عقیدۂ ختم نبوت درحقیقت نوع انسانی کے لیے ایک شرف و امتیاز ہے، وہ اس بات کا اعلان ہے کہ نوعِ انسانی سنِ بلوغ کو پہونچ گئی ہے، اور اس میں یہ لیاقت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ خدا کے آخری پیغام کو قبول کرے، اب انسانی معاشرے کو کسی نئی وحی، کسی نئے آسمانی پیغام کی ضرورت نہیں، اس عقیدے سے انسان کے اندر خود اعتمادی کی روح پیدا ہوتی ہے، اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکا ہے، اور اب دنیا کو اس سے پیچھے جانے کی ضرورت نہیں، اب دنیا کو نئی وحی کے لیے آسمان کی طرف دیکھنے کے بجائے خدا کی پیدا کی ہوئی طاقتوں سے فائدہ اٹھانے اور خدا کے نازل کئے ہوئے دین و اخلاق کے بنیادی اصولوں پر زندگی کی تنظیم کے لئے زمین کی طرف اور اپنی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے، عقیدۂ ختم نبوت، انسان کو پیچھے کی طرف لے جانے کے بجائے آگے کی طرف لے جاتا ہے، وہ انسان کے سامنے اپنی طاقتوں کو صرف کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، وہ انسان کو اپنی جد جہد کا حقیقی میدان اور رخ بتلاتا ہے، اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہو تو انسان ہمیشہ تذبذب و بے اعتمادی کے عالم میں رہے گا، وہ ہمیشہ زمین کی طرف دیکھنے کے بجائے آسمان کی طرف دیکھے گا، وہ ہمیشہ اپنے مستقبل کی طرف سے غیر مطمئن اور متشکک رہے، اس کو ہر مرتبہ

ہر نیا شخص یہ بتلائے گا کہ گلشنِ انسانیت اور روضۂ آدم ابھی تک نامکمل تھا، اب وہ برگ و بار سے مکمل ہوا ہے[۱] اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گا کہ جب اس وقت تک یہ نامکمل رہا تو آئندہ کی کیا ضمانت ہے، اس طرح وہ بجائے اس کی آبیاری اور اس کے پھلوں اور پھولوں سے متمتع ہونے کے نئے باغبان کا منتظر رہے گا، جو اس کو برگ و بار سے مکمل کرے۔

دعویداران نبوت

مرزا غلام احمد صاحب کی جد و جہد اور تحریک کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ نبوت کی حرمت و عظمت اور اس منصب کی آبرو اور شرف اٹھ جائے، انھوں نے نبوت کے اجرا و تسلسل پر جو زور قلم صرف کیا، اور اس کی جس طرح تبلیغ و اشاعت کی، انھوں نے الہام کو جو اہمیت دی اور اس پر جس طرح نبوت کی بنیاد رکھی، اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہئے کہ نبوت بازیچۂ اطفال بن جائے وہ اگرچہ نبوت کے اجرا و تسلسل کی تقریر محض اپنی نبوت کے امکان و ثبوت کے لیے کرتے ہیں، اور ختم نبوت کا انکار محض اپنی حد تک ہے، ورنہ آنے والوں کے لیے وہ اپنے ہی کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں[۲]، علامہ اقبال کے بلیغ الفاظ میں:۔

"خود بانیٔ احمدیت کا استدلال جو قرون وسطیٰ کے متکلمین کے لیے زیبا ہو سکتا ہے، یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا نبی نہ پیدا ہو سکے تو پیغمبر اسلام کی روحانیت نامکمل رہ جائے گی، وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کہ پیغمبر اسلام کی روحانیت میں پیغمبر خیز قوت تھی، خود اپنی نبوت کو پیش کرتا ہے، لیکن آپ اس سے پھر دریافت کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت ایک سے زیادہ نبی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ تو اس کا جواب نفی میں ہے، یہ خیال اس بات کے مترادف ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں، میں آخری نبی ہوں، اس امر کے سمجھنے کے بجائے کہ ختم نبوت کا اسلامی تصور نوع انسان کی تاریخ میں بالعموم اور ایشیا کی تاریخ میں بالخصوص کیا تہذیبی قدر رکھتا ہے، بانیٔ احمدیت کا خیال ہے کہ ختم نبوت کا تصور ان معنوں میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی پیرو نبوت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا، خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ناممکن پیش کرتا ہے، جب میں بانیٔ احمدیت کی نفسیات کا مطالعہ ان کے دعوائے نبوت کی روشنی میں کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیغمبر اسلام کی تخلیقی قوت کو صرف ایک نبی یعنی تحریک احمدیت کے بانی کی پیدائش تک محدود کر کے پیغمبر اسلام کے آخری نبی ہونے سے انکار کر دیتا ہے، اس طرح یہ نیا پیغمبر چپکے سے اپنے روحانی مورث کی ختم نبوت پر متصرف ہو جاتا ہے[۳]"

لیکن لوگوں کا ذہن اس نکتہ کے سمجھنے سے قاصر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آفرینی کی قوت ایک فرد واحد کے لیے مخصوص اور اس کی ذات تک محدود ہو اور نہ اس سے پہلے اس قوت نے اپنا فعل کیا ہو، اور نہ اس شخص کے بعد (جو بعثت محمدی کے تیرہ سو سال بعد آیا ہے) اور اس کے بعد معلوم نہیں دنیا کو کتنے ہزار سال تک رہنا ہے) فعل کر سکے، چنانچہ دوسروں کا کیا ذکر خود مرزا البشیر الدین محمود صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

"خدا تعالیٰ کافروں کی نسبت کہتا ہے "وما قدروا اللہ حق قدرہ" یعنی انھوں نے خدا تعالیٰ کی قدر کو نہیں سمجھا اور یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا کے خزانے ختم ہو گئے اس لئے کسی کو کچھ دے نہیں سکتا، اسی طرح یہ کہتے ہیں کہ خواہ کتنا ہی زہد اور میں بڑھ جائے، پرہیزگاری اور تقویٰ میں کئی نبیوں سے آگے گزر جائے، مغفرت الٰہی کتنی ہی حاصل کرے لیکن خدا اس کو کبھی نبی نہیں بنائے گا، اور کبھی نہیں بنائے گا، ان کا یہ سمجھنا خدا تعالیٰ کی قدر کو ہی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے ورنہ ایک نبی کیا، میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی ہوں گے[۴]"

چنانچہ مرزا غلام احمد صاحب کے بعد لوگوں کو نبوت کا دعویٰ کرنے کی عام جرأت ہو گئی۔ ہم کو کم سے کم ہندوستان کی تاریخ میں جو خاصی حد تک تفصیل کے ساتھ محفوظ ہے، اکبر کے سوا کسی شخصیت کا علم نہیں جس نے ختم نبوت کے انکار اور دین جدید کے ظہور کی جسارت کی ہو، اکبر نے بھی اس منظم اور واضح طریقہ پر جدید نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا، لیکن مرزا صاحب کے بعد یہ دروازہ عمومی طور پر کھل گیا، پروفیسر الیاس برنی صاحب نے ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء تک سات مدعیان نبوت کا حوالہ دیا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر زیادہ اہتمام سے ان مدعیانِ نبوت کی "مردم شماری" ہو تو صرف پنجاب میں اس سے بہت زیادہ تعداد ثابت ہو گی، ان مدعیانِ نبوت کی کثرت اور خام خیالی پر خود مرزا البشیر الدین محمود صاحب نے احتجاج فرمایا، انھوں نے ایک تقریر میں فرمایا:۔

"دیکھو ہماری جماعت میں ہی کتنے مدعی نبوت کھڑے ہو گئے ہیں، ان میں سے سوائے

ایک کے سب کے متعلق یہ خیال رکھتا ہوں کہ وہ اپنے نزدیک جھوٹ نہیں بولتے، واقعہ میں ابتدا میں انھیں الہام ہوئے، اور کوئی تعجب نہیں اب بھی ہوتے ہیں، مگر نقص یہ ہوا کہ انھوں نے اپنے الہاموں کو سمجھنے میں غلطی کھائی ہے ان میں سے بعض سے مجھے ذاتی واقفیت ہے، اور میں گواہی دے سکتا ہوں کہ ان میں اخلاص پایا جاتا تھا، خشیت الٰہی پائی جاتی تھی آگے خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ میرا یہ خیال کہاں تک درست ہے، مگر ابتدا میں ان کی حالت مخلصانہ تھی، ان کے الہاموں کا ایک حصہ خدائی الہاموں کا تھا، مگر نقص یہ ہوگیا کہ انھوں نے الہاموں کی حکمت نہ سمجھا اور ٹھوکر کھا گئے[۱]

تفریق بین المسلمین

ان جدید "نبوتوں" سے عالم اسلام میں جو زبردست انتشار مسلمانوں میں جو عظیم الشان تفریق اور امتِ واحدہ کی جو افسوسناک تقسیم ہوگی اس کے تصور سے بھی ایک مسلمان کو وحشت ہوتی ہے، لادینیت اور مذہب بیزاری کے اس دور میں خود نجود لوگوں میں "انا الحق" اور "ان النبی" کہنے کا ذوق نہیں رہا، لیکن مرزا غلام احمد صاحب کے لٹریچر کے اور سبک سر قادیانی مبلغین کی تبلیغ سے اگر آج عالم اسلامی میں نبوت کے دعوے کا ذوق پیدا ہو جائے اور عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں مختلف اشخاص اپنا اپنا علم نبوت بلند کر دیں، اور جو اس علم کے نیچے نہ آئے نبوت کے لازمی نتیجہ کے طور پر ان کی تکفیر شروع کر دیں تو عالم اسلام میں کیسا ذہنی اور دینی انتشار اور تصادم پیدا ہوگا، اور کس طرح عالم اسلام مختلف دینی محاذوں میں تقسیم ہو جائے گا، اور جو امت رنگ و نسل اور قوم و وطن کی تفریق مٹانے اور ساری نوع انسانی کو ایک دوسرے کا بھائی اور ہمدرد بنانے آئی ہے، وہ کس طرح دینی تعصبات اور باہمی تفریق و تکفیر کا شکار ہو کر رہ جائے گی، اس خطرہ کو مولوی محمد علی لاہوری نے بھی محسوس کیا، اور بڑی خوبی اور قوت کے ساتھ اپنے ایک مضمون میں اس کا اظہار کیا ہے، لیکن انھوں نے غور نہیں کیا کہ اس خطرہ کا دروازہ مرزا غلام احمد صاحب نے کھولا ہے، اور اسلام کی پوری تاریخ میں وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے نبوت کے اجراء و تسلسل کو ایک دعوت اور تحریک کے طور پر پیش کیا ہے، مولوی محمد علی صاحب اہل بصیرت کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"خدارا غور کرو کہ اگر یہ عقیدہ میاں صاحب[۲] کا درست ہے کہ نبی آتے رہیں گے، اور ہزاروں نبی آئیں گے[۳] جیسا کہ انھوں نے بالصراحت "انوار خلافت" میں لکھ دیا ہے، تو یہ ہزاروں گروہ ایک دوسرے کو کافر کہنے والے ہوں گے یا نہیں، اور اسلامی وحدت کہاں ہوگی؟ یہ بھی مان لو کہ وہ سارے نبی احمدی جماعت میں ہی ہوں گے، پھر احمدی جماعت کے کتنے ٹکڑے ہوں گے، آخر گزشتہ سنتوں سے تم اتنے ناواقف نہیں ہو کس طرح نبی کے آنے پر ایک گروہ اس کے ساتھ اور ایک خلاف ہوتا ہے، وہ خدا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کل دنیا کی قوموں کو ایک کرنے کا ارادہ ظاہر کر چکا ہے، کیا اب وہ مسلمانوں کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، کہ ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہوں، اور آپس میں کوئی تعلقات اخوت اسلامی کے نہ رہ گئے ہوں، یاد رکھو اگر اسلام کو کل ادیان پر غالب کرنے کا سچا وعدہ ہے، تو یہ مصیبت کا دن اسلام پر کبھی نہیں آسکتا کہ ہزاروں نبی اپنی اپنی ٹولیاں علاحدہ علاحدہ لئے پھرتے ہوں، اور ہزار ہا ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں ہوں، جن کے پجاری اپنی اپنی جگہ ایمان اور نجات کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہوں، اور دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر اور بے ایمان قرار دے رہے ہوں[۴]" (جاری)

---

[۱] ملاحظہ ہو مرزا صاحب کا شعر:-

روضۂ آدم کا تھا وہ نامکمل اب تلک
میرے آنے سے ہوا کامل مجدد برگ و بار

[۲] خطبہ الہامیہ میں مرزا صاحب فرماتے ہیں: فکان خالیاً موضع لبنۃ اعنی المنعم علیہ من ھذہ العمارۃ فاراد اللہ ان یتم البناء و یکمل البنا باللبنۃ الاخیرۃ ایھا الناظرون (صفحہ ۱۱۲) خود ہی اس کا ترجمہ فرماتے ہیں: "اور اس عمارت میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی، یعنی منعم علیہم، پس خدا نے ارادہ فرمایا کہ اس پیش گوئی کو پورا کرے اور آخری اینٹ کے ساتھ بنا کر کمال تک پہنچا دے پس میں وہی اینٹ ہوں"

[۳] پنڈت نہرو کے سوالات کا جواب، حرف اقبال صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱۔ [۴] انوار خلافت صفحہ ۶۲۔

[۵] الفضل یکم جنوری ۱۹۳۸ء

[۶] میاں صاحب اس عقیدہ کے مصنف یا موجد نہیں ہیں، انھوں نے صرف مرزا صاحب کی ترجمانی کی ہے۔

[۷] رد تکفیر اہل قبلہ صفحہ ۴۹، ۵۰۔

بیت المقدس کی اسلامی تاریخ
اور
قرآن و حدیث کی نظر میں اس کا مقام و مرتبہ

(۵)

ترجمہ: محمد ابراہیم ندوی

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی چادر پھیلائی اور کوڑے کو جھاڑنے لگے آپ کے ساتھ تمام مسلمان بھی اس صفائی میں شریک ہوگئے اور محراب داؤدی تک پہونچ گئے یہ وہی محراب ہے جو قلعہ کے اندر شہر کے پھاٹک کے پاس ہے اس کے بعد آپ نے اس میں نماز ادا فرمائی اور سورۂ صاد سجدہ تلاوت فرمائی، روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ جب آپ نے صخرہ کو کوڑا کرکٹ سے پاک کر دیا اس وقت فرمایا اس میں اس وقت تک نماز ادا کرو جب تک تین مرتبہ اس پر بارش نہ ہو جائے۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے کعبؓ سے فرمایا تمہاری رائے میں محراب کہاں بنائی جائے، انھوں نے عرض کیا صخرہ کی جانب آپ نے فرمایا کعبؓ تم نے یہودی زاویہ نظر سے رائے پیش کی اس کے بجائے ہم اس کا قبلہ اس کے درمیانی حصہ کو قرار دیں گے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری مسجدوں کا رُخ ہمارے درمیانی حصوں کو قرار دیا ہے، غور کرو ہمیں صخرہ کی طرف رخ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جب امیر المومنین حضرت عمرؓ نے بیت المقدس فتح کر لیا اور صلح و امان کی دستاویز تیار ہوگئی اور اہل فلسطین نے اس کو وصول کر لیا اور انھیں ہر طرح اطمینان حاصل ہوگیا تو باہم اختلاط ہوگیا اور ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل گئے، اور حضرت عمرؓ نے چند دن وہاں قیام کیا اور حضرت ابو عبیدہؓ سے فرمایا تمہارے سوا فوج کے تمام سپہ سالاروں نے مجھے گھر آنے کی دعوت دی ابو عبیدہؓ نے عرض کیا گھر پر تشریف آوری کی دعوت دینے میں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ میرے گھر پہونچ کر آپ مجھ سے نظریں پھیر لیں گے آپ نے فرمایا کہ دعوت تو دو انھوں نے عرض کیا آپ تشریف لائیں۔

جب حضرت عمرؓ ان کے گھر تشریف لاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بجز ان کے گھوڑے کے تمدے کے سوا اس میں کچھ نہیں وہی ان کا بستر ہے وہی زین ہے بلکہ وہی ان کا تکیہ بھی ہے، دیکھتے ہیں کہ گھر کی طاق میں خشک روٹی کے چند ٹکڑے پڑے ہیں، وہ آئے اور ان کے سامنے فرش زمین پر ان کو رکھ دیا اور تھوڑا سا پانی مشک اور کوزے میں پانی لے آئے جب حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھا آبدیدہ ہو کر فرمایا میرے ساتھیوں میں سے تمہارے علاوہ ہر ایک دنیا سے محظوظ ہوا اور دنیا اس پر اثر انداز ہوئی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے عرض کیا میں نے آپ کو پہلے ہی نہ بتلا دیا تھا کہ آپ مجھ سے نگاہیں پھیر لیں گے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ گھر سے باہر تشریف لائے نماز کا وقت ہو چکا تھا آپ نے فرمایا: بلال کیا تم آذان نہیں دو گے حضرت بلالؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے بھی آذان دینے کی خواہش نہیں پیدا ہوئی لیکن آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس مرتبہ صرف نماز کے لئے ضرور آذان کہوں گا۔

جب حضرت بلالؓ نے آذان کہی اور صحابۂ کرامؓ نے آپ کی آواز سنی ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوگئی اور آہ و فغاں کا عجیب سماں بندھ گیا بس وقت حضرت ابو عبیدہؓ اور معاذ بن جبلؓ سے زیادہ دیر تک کوئی صحابی نہیں یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کو کہنا پڑا کہ اللہ کے بندو بہت ہوگیا۔

صخرہ شریفہ کی تعمیر نو اور مسجد کی آبادکاری

جب عبد الملک کی خلافت کی بیعت لی گئی اس وقت انھوں نے لوگوں سے اچھے کارناموں کے انجام دینے کا وعدہ کیا اور قرآن و حدیث کے احیا، اور عدل و انصاف قائم کرنے کی لوگوں کو دعوت دی ۶۶ھ کے اوائل میں گنبد صخرہ اور مسجد اقصیٰ کی عمارت کی تعمیر شروع ہوئی۔

اس تعمیر کا قصہ یوں ہے کہ عبد الملک بن مروان جب بیت المقدس تشریف لائے اور صخرہ شریفہ پر گنبد بنائے جانے کا حکم جاری کیا اپنے تمام گورنروں اور شہروں کو خطوط بھیجے کہ عبد الملک نے صخرہ بیت المقدس پر ایک گنبد کی تعمیر کا ارادہ کیا ہے تاکہ مسلمان گرمی اور سردی کی اذیتوں سے

محفوظ رہیں اور چاہتے ہیں کہ مسجد تعمیر کریں اور انھیں اپنی رعایا کی مرضی کے بغیر یہ کام پسند نہیں، رعایا کو چاہیئے کہ اپنی رائے اور فیصلہ سے خطوط کے ذریعہ آگاہ کریں۔

چنانچہ صوبوں کے گورنروں کی جانب سے خطوط پہنچے جن کے نزدیک امیر المومنین کی رائے مبنی بر صواب اور حق بجانب تھی اور یہ کی جو نیت انھوں نے بیت المقدس اور صخرہ شریفہ مع مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں کی ہے انشاء اللہ پائے تکمیل تک پہونچے گی ہو یہ کام انھیں کے دست مبارک سے انجام پائے گا نیز یہ ان کی اور بزرگان رفیہ کی یادگار ثابت ہوگا۔

اسی غرض سے عبد الملک نے مختلف مقامات سے کاریگروں کو اکٹھا کیا اور کثیر سرمایہ مختص کیا لوگوں کا اندازہ تھا کہ وہ مصر کے ہفت سالہ خراج کی مقدار میں تھا اور اس کو صخرہ کے بالمقابل مشرقی جانب واقع گنبد میں محفوظ کرا دیا جبکہ مغربی جانب اس کی تعمیر کا حکم دیدیا اور اس کو (گنبد کو) گودام محزن بنا دیا اور قیمتی سرمائے سے اس کو بھر دیا اور مسجد و گنبد کی تعمیر اور ضروری اخراجات کا سپروائزر ابو المقدم رجاء ابن حیار بن جودکو بنایا جن کا شمار مشاہیر علماء اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے ہم نشینوں میں ہوتا تھا اور ان کے ساتھ یزید بن سلام مولیٰ عبد الملک بن مروان نامی ایک صاحب جن کا تعلق بیت المقدس سے تھا ان کو اور انکے دونوں بیٹوں کو بھی انکے ساتھ شریک کیا، اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ عبد الملک نے گنبد کی تعمیر و تکوین کا انتخاب کردہ خاکہ کاریگروں سے بیان کر دیا لہذا انھوں نے بیت المقدس کے لئے گنبد صخرہ سے مشرقی جانب جو قبہ سلسلہ کے نام سے مشہور ہے چھوٹا سا گنبد بنا دیا اس کا تعمیری نمونہ ان کو بہت پسند آیا اور اسی ہیئت و انداز کا گنبد بنانے کا حکم دیدیا۔

چنانچہ انھوں نے مسجد کی مشرقی جانب سے مغربی جانب تک گنبد کے پاس تعمیری کام شروع کر دیا یہاں تک کہ اس کام کو آخری مرحلہ تک پہونچا دیا اور تعمیر اس طرح بالکل مکمل ہو گئی کہ زبان کھولنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی، اس وقت رجاء اور یزید نے عبد الملک کو دمشق خط لکھا کہ امیر المومنین کے حکم کے مطابق بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کا گنبد صخرہ لاجواب طریقہ پر پایہ تکمیل تک اللہ تعالیٰ نے پہونچا دیا اور تعمیر کی تکمیل و استحکام کے بعد امیر المومنین کے مقرر کردہ مصارف میں سے ایک لاکھ دینار بچ گیا ہے امیر المومنین حسب منشاء خود بلا جہاں چاہیں صرف فرمادیں۔

امیر المومنین نے ان کو لکھا آپ دونوں حضرات نے ایک بابرکت و معزز گھر کی تعمیر کا جو فریضہ انجام دیا ہے اس کے بدلے میں بقیہ مال بطور انعام دیتا ہوں، ان کو جواب ملا کہ ہم لوگوں کا تو یہ حق ہے کہ اپنے مال و اسباب کے علاوہ اپنی، بیویوں کے زیورات کو بھی اس میں شامل کر دیں

(باقی صـ۱۱ پر)

بقیہ: مطالعہ کی میز پر

پروفیسر صاحب نے ولادت اور وفات کے ساتھ عمر کی بھی نشاندہی کر دی ہے ؎

خونیں کفن شہید الفت
دولھا سا سجا ہوا گیا ہے

۱۹۲۵ء + ۶۵ = ۱۹۹۰ء

اخیر میں مرحوم کی تصانیف، تراجم اور تبصرے کی مکمل ڈائرکٹری دی گئی ہے۔ اسی طرح رسالہ تعمیر لکھنؤ میں شائع شدہ مضامین کی تفصیل بھی بڑی خوبی سے درج کی گئی ہے، مرحوم کی فکری بصیرت اور ان کے منطقی طرز استدلال، جدت فکر کو سمجھنے، اجتہادی نظریات کو پرکھنے اور علمی انداز فکر کا تجزیہ کرنے کے لیے سیکولر ہندوستان میں شریعت کے نفاذ کا مسئلہ، (موصوف نے ۱۹۸۳ء میں یہ مقالہ لکھا تھا) اس کو بھی شامل کیا گیا ہے، جس میں ان کی شخصیت کی جوت چاندنی کی طرح چھٹکی ہوئی نظر آتی ہے" اس دور کے مشاہیر اہل قلم نے انھیں اپنی تحریروں سے سجایا ہے، ان کی آرا پر متوازن انداز میں بعض اہل قلم نے تنقید بھی کی ہے، جس کا تعلق ان کے دور ثانی کے تحقیقی ورثہ سے ہے۔ جس کی طرف حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم (جو مرحوم کے استاذ و مربی بھی ہیں) نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

"پروفیسر اسمتھ سے خاص تلمذ حاصل تھا اس لیے ان کے خیالات میں کچھ "ترقی پسندی" کی بو آگئی تھی جس سے ہمارا دینی حلقہ اتفاق نہیں کرتا" ——— مضامین کی تکرار کے باوجود کتاب اپنے محتویات کے اعتبار سے بہت جامع وقیع اور مکمل ہے۔ پروفیسر شبیر الحق صاحب مرحوم کی زندگی پر ایک مکمل دستاویز ہے۔ جس سے آئندہ بہت فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ علم و تحقیق کی منزلیں طے کرنے والے... اس میں حوصلہ و جستجو کی وہ رو دبار پائیں گے جس کے سہارے علم و تحقیق کی ولایت میں داخل ہوا جاسکتا ہے۔

کتاب کی طباعت عمدہ، کاغذ معیاری، کتابت حسن و دلکشی کا مرقع ہے، جس سے کتاب کی معنوی خوبیوں کو مزید نکھار حاصل ہو گیا ہے، البتہ پروف ریڈنگ کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ چنانچہ صـ۳۱۲ پر شعر غلط لکھا ہوا ہے، اسی طرح صـ۱۷۶ صـ۱۹۱ صـ۱۹۲ صـ۱۹۸ پر کئی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ امید کہ آئندہ ان کی اصلاح کر لی جائے گی۔

تیسرہ تیزی کی نحوست ایک جاہلانہ تصور

محمد خالد غازیپوری ندوی

اسلامی تاریخ کا دوسرا مہینہ صفر المظفر ہے، اسلامی مہینوں میں اسے یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس کا حدیث پاک میں مخصوص انداز میں تذکرہ آیا ہے، اور اس سے وابستہ وہم و خرافات کی نفی کی گئی ہے: وہم کی اساس وہ نحوست تھی جو فتنوں و باؤں، امراض اور مصائب و حوادثات کی شکل میں کبھی اس مہینہ میں پیش آئی تھی اور اس کی بنیاد پر یہ عقیدہ قائم ہو گیا تھا کہ صفر کا مہینہ نحوست والم کا مہینہ ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کی کلیتہً نفی فرمائی، اور انسان کو کامیاب زندگی کی راہوں میں صالح عقیدہ کی روشنی بخشی، ارشاد فرمایا۔ "لا عدوی ولا صفر" چھوت چھات اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں، اس مفہوم کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں بکثرت وارد ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور کے جاہلی معاشرہ میں یہ توہمات عقیدہ کی شکل اختیار کر چکے تھے، مثلاً چھوت چھات، سعد و نحس بھوت پریت وغیرہ۔

جاہلیت نے صفر کو نامرادی و ناکامی کا پیش خیمہ بتایا تھا، اسلام نے صفر کو مظفر و مسعود گردانا، یہی وجہ ہے کہ اسلامی مہینوں میں اسی مہینہ کے ساتھ خصوصاً مظفر کا صیغہ کی صفت لگی ہوئی ہے، گویا اشارہ اس نے یہ بتایا ہے کہ یہ ایام ظفر و سعادت کے حصول کا ذریعہ ہیں، نہ کہ تشاؤم و بدفالی کا وحشتناک دریچہ، جس میں قوت عمل ٹوٹی ہوئی اور امیدیں بکھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

صفر کے تعلق سے یہ بھی عقیدہ پایا جاتا تھا کہ وہ ایک قسم کا سانپ ہے جو انسان کے معدہ میں پرورش پاتا ہے اور بھوک کی شدت میں جو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کی اصل وجہ وہی سانپ ہے جو انسان کو ڈستا ہے اس تصور ہی سے انسان لرز اٹھتا ہے اور صفر کی آمد سے اس کے تصورات و احساسات میں ایک ہلچل سی پیدا ہو جاتی تھی۔

اسی طرح دور جاہلیت میں صفر میں "نسیٔ" کو جائز سمجھا جاتا تھا اور عملاً سارے پروہت اس کے قائل تھے نسیٔ کہتے ہیں مہینہ آگے پیچھے کرنے کی رسم کو یہ رسم عام طور پر اس مہینہ میں ہوتی تھی یعنی محرم کو صفر تک مؤخر کر دیا جاتا تھا اور حج عین محرم کے مہینہ میں جو اشہر حرام میں سے تھا ان کی خوں آشام کاروائیاں جاری ہوتی تھیں، امام مغازی محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی تھی "قلمس کنانی" تھا پھر اس کی اولاد در اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا، آخر میں اسی کی نسل سے ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ اس سال محرم اشہر حج میں داخل رہے گا یا صفر، یہی بات علامہ ابن اثیر نے بھی نہایہ میں تحریر کی ہے قبیل ازیں النسیٔ وھو تاخیر الشھر الحرام الی صفر۔ اس سے مراد محرم کو صفر تک مؤخر کرنا ہے، اسلام نے اس نسیٔ کے عمل کو لغو ہی نہیں بلکہ عمل کفر قرار دیا ہے (انما النسیٔ زیادۃ فی الکفر (نسیٔ کفر کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے)

لہذا ان سب کی نفی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ لا صفر سے فرمائی ہے اس میں درج بالا تینوں قسم کے عقیدہ کی نفی ہوتی ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلم معاشرہ کو ان توہمات و خرافات سے آلودہ ہونے سے بچایا جائے تاکہ رفتہ رفتہ کہیں وہ ان توہمات کی بنیاد پر شرک میں مبتلا نہ ہو جائے، اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دن اور تاریخ کو منحوس گردانتا ہے اور اس میں اس کو مؤثر خیال کرتا ہے تو یہ شرک ہے اس لئے کہ مؤثر تو صرف اللہ کی ذات ہے، بعض دن اور بعض تاریخوں میں کسی قوم پر نحوست اگر طاری ہوئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بذات خود میں نحوست کا سرچشمہ ہیں، اس لئے کہ قرآن پاک میں قوم عاد کی تباہی کا جہاں ذکر آیا ہے، وہاں یہ فرمایا گیا ہے، فی یوم نحس مستمر یعنی قوم عاد پر عذاب جاری رہنے والی نحوست کے دن آیا، اس دن کا تعلق پورے ہفتہ سے ہے اس لئے کہ قوم عاد پر آٹھ دن اور سات رات تیز آندھیوں کا عذاب مسلط رہا یہاں تک کہ پوری قوم تباہ و برباد ہو گئی ان کے محلات زمیں بوس ہو گئے اور باغوں میں خاک اڑنے لگی تو

عثمانی نے اس آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ، اور یہ نحوست کا دن ان ہی کے حق میں تھا یہ نہیں کہ ہمیشہ کو وہ دن منحوس سمجھ لئے جائیں جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہے، اور اگر وہ دن عذاب آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے منحوس بن گیا ہے تو مبارک دن کون سا رہے گا، قرآن کریم میں تصریح ہے وہ عذاب سات رات اور آٹھ دن برابر رہا، بتلایئے اب ہفتہ کے دنوں میں کونسا دن نحوست سے خالی رہے گا، چونکہ صفر کی نحوست دور جاہلیت میں فتنوں اور حوادث کے وقوعہ سے وابستہ کی گئی تھی، اور اس کو وہ فتنوں کی تحریک میں مؤثر خیال کرتے تھے لہذا اس سے روکا گیا، اور ہر چیز کا رُخ مؤثر حقیقی اللہ رب العزت کی طرف کر دیا گیا اسی طرح بارش کے ہونے کو نچھتر کی طرف منسوب کرنے سے بھی روکا گیا، اور اُسے کفر بتایا گیا، اور اس قسم کے تمام مواقع میں اسلام کی تعلیم کا صرف ایک ہی رُخ ہے وہ یہ کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے، اور اس کا انتساب اسی کو زیبا ہے۔

اس کے باوجود افسوس ہے رجاہلیت کی بہت سی رسمیں مسلم معاشرہ میں اب بھی پائی جاتی ہیں، اور اس کا لحاظ اس درجہ کیا جاتا ہے کہ جاہلیت بھی ٹھرایا جائے، انہیں خرافات میں سے صفر المظفر میں تیرہ تیزی کا وہمی تصور ہے، جو مردوں میں تو کم لیکن عورتوں کے دل و دماغ پر ایسا چھایا ہوا ہے کہ ہر حال میں اس کی پابندی لازمی سمجھی جاتی ہے، صفر کے شروع کے تیرہ دن انتہائی منحوس خیال کئے جاتے ہیں شادی بیاہ نہیں کی جاتی، دلہن کی رخصتی موقوف ہوتی ہے، کوئی نیا کام کرنے سے گریز کیا جاتا ہے، ان دنوں میں ولادت کو بھی کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا اگر ولادت کسی کے یہاں ہوئی تو سمجھا جاتا ہے کہ اس کی آمد پریشانیوں کا پیش خیمہ ہے، اور اگر خدانخواستہ کوئی بات ہوگئی تو اس کو فوراً اس نئے مہمان کی آمد سے جوڑ دیا جاتا ہے، یہ خالص جاہلی تصور ہے جو ہمارے معاشرہ میں ہندوؤں کی وجہ سے رفتہ رفتہ پیدا ہوا، سعد و نحس کا تصور قطعاً اسلامی نہیں، جو کچھ ہوتا ہے، صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اس کے حکم میں کسی کو اختیار نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے ایک مسلمان کی یہی شان ہے کہ اس کا باطن ان وہمی تصورات سے قطعاً پاک ہو اور ظاہر طاعت ربانی پر شاہد ہو، پھر اس کو وہ قوت قاہرہ حاصل ہوگی جو کسی قوم و ملت کی قیادت کے لئے ضروری ہے

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

(اقبالؒ)

بگاڑنا ہو مقدر تو لاٹری کھیلو

نصیر نادآں کانپوری

بگاڑنا ہو مقدر تو لاٹری کھیلو
اجاڑنا ہو تمہیں گھر تو لاٹری کھیلو
حیات کیسے مسرت سے منہ چرانی ہے
تباہی کیسے دبے پاؤں گھر میں آتی ہے
جو دیکھنا ہو یہ منظر تو لاٹری کھیلو

دلوں میں تخم وفا کا جو بو نہیں سکتے
تم آئینہ جو شرافت کا ہو نہیں سکتے
جہاں میں سب سے ہو بدتر تو لاٹری کھیلو

مشاہدہ کیا جب بھی تو یہ نظر آیا
ہوا جو اس کا وہ خوش حال ہو نہیں پایا
نہیں جو پھرنا ہو دَر دَر تو لاٹری کھیلو

خباثتوں کا اگر چاہتے ہو گھر میں قیام
جو منتشر تمہیں کرنا ہو زندگی کا نظام
پڑے ہوں عقل پہ پتھر تو لاٹری کھیلو

تمہارا حق ہے جہاں کی ہر ایک نعمت پر
یقین کیا نہیں تم کو خدا کی نعمت پر
نہیں ہو افضل و برتر تو لاٹری کھیلو

دعائے صحت

مدرسہ بدر الاسلام شاہ گنج جونپور کے نائب ناظم مولانا شاہد رضوان صاحب قاسمی کے چچا جناب شمیم احمد بن حاجی اشتیاق احمد صاحب جو تعمیر حیات کے قدیم قارئین میں سے ہیں اور اس کی توسیع و اشاعت میں کافی سرگرم رہتے ہیں، دو ماہ قبل العین میں کار ایکسیڈنٹ میں شدید طور زخمی ہوگئے ہیں، اس وقت لندن میں زیر علاج ہیں، قارئین تعمیر حیات سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

کاروانِ زندگی (حصہ پنجم)

تاثرات وخیالات

(از: پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی)

زندگی کا کارواں چلتا رہتا ہے، اور افراد ہوں کہ اقوام بقول مولانا ابوالکلام آزادؒ "وقت وہی شب و روز کا وقت ہے جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے، نہ سورج (کسی کے لئے) زیادہ دیر ٹھیر سکتا ہے، نہ رات (کسی کی) خاطر اپنا معمول بدل سکتی ہے" زندگی کی ایک سطح یہ ہے، لیکن ایک سطح اور بھی ہے جہاں ایک باشعور انسان زندگی کے گذرتے ہوئے شب و روز کے ان لمحات و واقعات کو جنھوں نے اس کے شعور و احساس کے پردے پر گہرے نقوش مرتسم کئے ہیں، اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کرتا ہے، اس غرض سے کہ وہ نہ صرف اپنے معاصرین کو بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی یہ بتا سکے کہ ان لمحات و واقعات نے اسے کیسے متاثر کیا، کیوں متاثر کیا، انفرادی و اجتماعی زندگیوں پر ان کے کیا اثرات پڑے اور آنے والے زمانے میں ان کے کیا نتائج مرتب ہو سکتے ہیں، ان میں امیدوں اور کامرانیوں کے کیا کیا امکانات ہیں اور فرد، جماعت اور نوع انساں کے لیے کیا کیا اندیشے اور خطرات ہیں۔ یہ روداد زندگی اگر ایک ایسے حساس، باشعور اور صاحب ضمیر انسان کی سرگذشت حیات ہے جس کے دل کی دھڑکنوں، دماغ کی خلشوں اور روح کی تابیوں کو ایمان و یقین کے نور سے تابانی اور اقدار عالیہ مطلقہ سے فیضان حاصل ہوتا رہا ہے اور اسے اپنی گہرتر نکتہ بصیرت اور فکر و وجدان کی صلاحیت کے اظہار کے لئے ایک دلآویز اسلوب بیان بھی عطا کیا گیا ہو، تو یہ روداد زندگی اس عہد کی داستان بن جاتی ہے اس ایک انسان کی آپ بیتی بیشتر مقامات پر پورے معاشرے کی آپ بیتی بن جاتی ہے۔

کاروانِ زندگی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی خود نوشت سوانح ہے یعنی آپ بیتی ہے۔ اب تک اس کے پانچ حصے قلمبند ہوئے ہیں۔ پانچواں حصہ نومبر ۱۹۹۰ء سے دسمبر ۱۹۹۳ء تک کی مدت پر محیط ہے۔ یہ مدت اگرچہ مختصر ہے، مگر بعض ایسے واقعات و حوادث اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے جس کے نتائج دور رس اور تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ فاضل مصنف کی تقریریں، خطوط، مختلف تنظیموں کے اجتماعات، ان کا پس منظر، ان کی تجویزیں وغیرہ جو اس میں درج ہیں ان کی حیثیت تاریخ نگاری کے معیار کے مطابق دستاویزی ہے۔ اس عہد کے سوانح نگار اور مورخ واقف ہیں کہ گذشتہ تیس چالیس سال سے تاریخی اہمیت کی مختلف النوع دستاویزی تحریریں مرتب کر کے شائع کرنے کا رجحان بہت قوی ہو گیا ہے، مورخین کو اس سے یہ سہولت ہے کہ ایسی دستاویزی حیثیت کی تحریروں کی تلاش و تحقیق سے وہ بچ جاتے ہیں اور اپنا وقت بشرط ضرورت دوسرے شواہد سے ان کی تصدیق و توثیق اور ان کا تجزیہ کرنے میں صرف کرتے ہیں اور اپنی تشریحات و تعبیرات سے متعلقہ واقعات کے اسباب و نتائج کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اس طرح ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ کاروانِ زندگی کی ترتیب و تالیف کا منہاج کیسی علمی اہمیت کا حامل ہے۔ اس آپ بیتی کے سبھی حصوں میں یہ بات ملتی ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مصنف کی تقریروں اور خطوط وغیرہ کا واقعاتی پس منظر ان کے مخصوص طرز تحریر میں جس کا امتیاز جذبے کی گرمی، زبان و ادب کی شادابی اور واقعات و حوادث کے درمیان کھڑے رہ کر ان کی مزاج شناسی کی صلاحیت و بہی ہے، ایسا دیدہ زیب فریم بن جاتا ہے جس میں مضمون و معنی کی تصویر بڑی خوبصورتی سے ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔

دعوت و اصلاح کا کام ایک پیغمبرانہ کام ہے، اللہ تعالیٰ اپنے جس برگزیدہ بندے سے یہ کام لینا چاہتے ہیں تو اس کو بعض ایسی خصوصیتیں اور صلاحیتیں ودیعت فرما دیتے ہیں جو اس کے مخاطبوں کے لئے باعث کشش اور جاذب نظر ہوتی ہیں۔ ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں حضرت مولانا پر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا انعام ہے جو اس صدی میں ہندی مسلمانوں میں کم ہی شخصیتوں کی خوش نصیبی رہی ہے۔ "ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"

"ہمارا معاشرہ کوہ آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے" اس عنوان سے نصف کتاب کا ایک مقالہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۹۰ء کو دہلی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک مشترکہ جلسے میں پڑھا گیا تھا۔ کاروانِ زندگی کے پانچویں حصہ کی ابتدا اسی مقالے کے عنوان سے ہوئی ہے۔ مولانا نے

اس عنوان کے چار بنیادی سبب بتائے تھے:-
۱- فرقہ وارانہ منافرت ۲- ظلم و سفاکی ۳- ظلم کے خلاف بلند کرنے والوں اور اس کا مقابلہ کرنے والوں کی کمی اور ۴- حکومت و اقتدار کے حصول کے لیے غلط یا صحیح، غیر اخلاقی یا اخلاقی (صحیح اور اخلاقی برائے نام) ہر ذریعہ اختیار کرنے کا عام رجحان ــــ یہ صورت حال آج بھی باقی ہے۔ اگست ۱۹۹۰ء میں کویت پر عراق کا حملہ ہوا۔ حضرت مولانا کو ان کی نظر عالم اسلام کے حالات و واقعات پر اوروں کے مقابلے میں زیادہ گہری اور حساس ہے، اس واقعہ پر تڑپ اٹھے۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر آپ نے صدام حسین کی اس مہم جوئی کی مذمت کی اور "قومیت عربیہ" "البعث العربی کی غیر اسلامی اور خطرناک آئیڈیولوجی پر سخت تنقید کی اور اس سے عالم اسلام کو ہوشیار رہنے کا مشورہ دیا۔

زیر نظر کتاب میں اس کا خاصی تفصیل سے ذکر ہے، اسی کے ساتھ انھوں نے سعودی حکومت کے سربراہ جلالۃ الملک فہد بن عبد العزیز کے نام جو دعوتی خط لکھا اسے پڑھ خواجہ عبید اللہ احرارؒ شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ اور شیخ احمد سرہندیؒ کے دعوتی طریقۂ کار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ملک فہد کے نام مذکورہ مکتوب کو بار بار پڑھئے اور حضرت کی اسلام اور مسلمانوں کی بلندی کی آرزومندی کا اندازہ کیجئے، ہندوستان کے سربراہان حکومت کے نام بھی مولانا نے خطوط لکھے ہیں۔ اس جلد میں دو خط وزیر اعظم نرسمہا راؤ کے نام ہیں۔ پہلا خط اس لحاظ سے غور طلب ہے کہ اس میں مکتوب نگار نے ملک کی ہیئت اجتماعی کی بیماریوں کے علاج کی طرف توجہ دلائی ہے جو پورے ملک کو ہلاکت میں ڈال دیں گی۔ ملک کی بھلائی اس میں ہے کہ سچے سیکولرزم صحیح جمہوریت، اور بے لوث فرقہ وارانہ اتحاد کا راستہ اختیار کیا جائے اور ظلم اور تشدد کے بڑھتے ہوئے رجحان کے خلاف صف آرائی کی جائے اور اس کا ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ ضرورت ہے کہ پولیس اور انتظامیہ کی انسانی، اخلاقی تربیت کی جائے۔ فاضل مکتوب نگار نے ہندو احیائیت اور اس کے خطرناک نتائج کا خاص طور پر ذکر کیا اور متنبہ کیا کہ اگر اس کے ساتھ سخت رویہ نہ اپنایا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جیسے ملک کو زمین دوز اور دھماکہ خیز سرنگوں پر چھوڑ دیا جائے جو بالآخر ملک کو لے ڈوبے گی۔"

حضرت مولانا نے ہندوستان کی تاریخ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اکتوبر ۱۹۹۱ء میں لکھنؤ کی اپنی ایک تقریر میں حقیقت پسندانہ بصیرت کے ساتھ کیسی اہم بات فرمائی کہ "اگر سیکولرزم اور عدم تشدد کا پودا یہاں سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا تو پھر تشدد اور مذہبی تعصب کا اژدہا نکل آئے گا اور وہ (اس دیس باسیوں کے ساتھ) کوئی رو رعایت نہیں کرے گا۔"

۲۴ جون ۱۹۹۱ء کو یو، پی میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت قائم ہوئی تھی جو ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو اجودھیا میں وحشت و بربریت کے سفاکانہ اظہار اور بابری مسجد کے انہدام کے ساتھ خود منہدم ہو گئی۔ پھر بمبئی، سورت، مہاراشٹر، گجرات اور دوسرے صوبوں کے مختلف مقامات پر فرقہ وارانہ فساد کا ایک سیلاب آگیا۔ کتاب کے قریب تیس صفحے پر اس مدت کے رام جنم بھومی بابری مسجد قضیے سے متعلق حضرت مولانا کی اپنی سرگرمیوں اور خیالات و تاثرات کا تذکرہ ہے جو کئی لحاظ سے غور سے مطالعہ کرنے کے لائق ہے۔ ان صفحات میں آپ ایک حساس اور دکھی دل کی صدائے دردناک سنیں گے، ایک ایسے قلب مضطر کی آہ و کراہ بردوش دھڑکنیں سنیں گے جو تہذیب کی نشانیوں اور تمدن کے آثار کو مٹا دینے والی وحشتوں کے خلاف فریاد کناں ہیں بابری مسجد کا انہدام اسلامی تمدن کے ایک اثر کا انہدام ہی نہیں تھا، بلکہ یہ دراصل نئے ہندوستان کے جمہوری و سیکولر نظام کی بنیادوں کو ہلا دینے والا ایک بڑا سانحہ تھا، ہندوستان کی آبرو کو خاک میں ملا دینے والا حادثۂ فاجعہ تھا، انسانیت و شرافت کے خلاف ایک گناہ کبیرہ جسے تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی۔ حضرت مولانا نے لکھا:-

"۶ دسمبر کو اجودھیا میں..... جو واقعہ پیش آیا اس نے پورے ہندوستان کو ایک کلنک کا ٹیکہ لگا دیا اور اس کی سیکڑوں برس کی روادار، مذہبی آزادی اور صلح پسندی کی روایات کو خاک میں ملا دیا، ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والوں اور قربانی دینے والوں کی محنتوں پر پانی پھیر دیا اور عالمی اور بین الاقوامی سطح پر ہندوستان کو ذلیل کیا۔"

پھر اس واقعہ کے بعد فسادات میں جن وحشیانہ مظالم کا ارتکاب کیا گیا، اس کی داستان بڑی ہی لرزہ خیز ہے۔ سب سے زیادہ تشویش و اضطراب کی بات یہ ہے کہ انہی کے اس دیس میں جب آدمیوں کا ایک گروہ وحشیوں کا گروہ بن جائے اور اسے ظلم و تشدد کرنے میں ایک لذت اور تفریح جیسی مسرت محسوس ہونے لگے تو سمجھئے کہ ظلم و تشدد کے خلاف کیسی بڑی لڑائی اس دیس کے محب الوطنوں کو لڑنی ہے اور اس لڑائی کے لیے دیس کے جاں نثاروں اور وفاداروں کو ہمہ وقت اور ہر محاذ پر کس طرح تیار رہنا ہے۔ مصنف گرامی قدر کی ان دو تقریروں میں یہی محسوسات و تاثرات کارفرما ہیں جن میں

سے ایک ۶ر جنوری ۱۹۹۳ء کو قیصر باغ (لکھنؤ) کی بارہ دری اور دوسری گورنمنٹ کالج رائے بریلی کے وسیع میدان میں ۸ر فروری ۱۹۹۱ء کو کی گئی، ان تقریروں میں ہم وطنوں کی توجہ ملک و معاشرہ کے اس خطرناک مرض کی طرف دلائی گئی ہے جس کا نام ظلم و سفاکی ہے اور اسے سب سے زیادہ خطرناک مرض بتایا گیا ہے۔ یہ دونوں تقریریں جس دردمندی، انسان اور ملک اور وطن سے جس گہری محبت کے جذبے، تقدیر الٰہی پر جس کامل اعتماد، ایام اللہ کی انقلاب آفرینیوں کے مصالح پر جس پکے یقین اور جس باریک بیں تاریخی بصیرت کی آئینہ دار ہیں، اس کی مثالیں اردو کی تقریروں میں بہت کم ملیں گی۔ تقریریں ایسی ہیں کہ انھیں یاد کر لیا جائے، ایک خطابت وہ ہوتی ہے جس میں بھاری اور مغلق الفاظ و تراکیب کی گھن گرج اور ایک آزدھامی، ہجومی فضا ہوتی ہے، اور ایک خطابت وہ ہے جہاں الفاظ سادہ اور دہی روزمرہ کے ہوتے ہیں، لیکن ان میں طرز بیان اور جملوں کی ساخت کے ساتھ ایک مضطر اور دردمند دل کی "خستگی و برشتگی" کی گرمی سے ایک ایسی اثر آفریں کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ سننے والوں کے دل بے چین اور آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ حضرت مولانا کی ان تقریروں میں حلم و جذبہ کے امتزاج سے ایک دل زندہ اور قلب بیدار کی دردمندیوں کو کچھ اس طرح "نظم" کر لیا گیا ہے کہ یہ ادب کا شہ پارہ بن گئی ہیں۔

بغداد، جہان آباد اور غرناطہ پر جو مرثیے لکھے گئے وہ ان کی تباہی و بربادی کے بعد لکھے گئے تھے، لیکن یہ تقریریں متنبہ کرتی ہیں کہ ہمارے اعمال ایسے نہ ہونے چاہئیں کہ آنے والا شاعر خون کے آنسو روئے اور وطن عزیز کا مرثیہ لکھے۔

حضرت مولانا نے لکھنؤ کی تقریر میں کہا کہ یہ ملک اسی طرح باقی رہ سکتا ہے کہ یہاں سیکولرزم ہو، ڈیموکریسی اور نون وائولینس ہو، ان کے بغیر یہ ملک نہیں رہ سکتا اور پھر اسی سیاق میں آپ نے کہا:-

"یہ کیسا دورہ ہے کہ ملک کو پیچھے لے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اگر یہ ہوتا رہا (تو) پھر ایسی خرابیاں پیدا ہوں گی کہ جینے کا مزہ نہ رہے گا، ہندوستان کا نام ڈوب جائے گا، اس کے نام پر خاک پڑ جائے گی اور یہاں جو ہیروز، تھنکرز اور فلاسفر ہوئے ہیں، وہ سب چھپ جائیں گے اور سامنے صرف یہ رہے گا کہ وہ ہندوستان جہاں آدمی جلایا جاتا ہے، وہ ہندوستان جہاں آدمی کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے، وہ ہندوستان جہاں آدمی کو آرا مشین میں لکڑی کی طرح چیر دیا جاتا ہے، وہ ہندوستان جہاں معصوم بچوں کو جلتی ٹرینوں سے اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔"

کتاب میں حضرت مولانا کے ملکی اور غیر ملکی اسفار کے تذکروں کے بعض ٹکڑے ادب و انشا کے بڑے اچھے نمونے ہیں، اور دوران سفر لوگوں سے ملاقاتوں کے بیان میں بعض فقرے اپنے اندر بڑی معنویت رکھتے ہیں۔ راقم الحروف کو دو بین الاقوامی مذہبی کانفرنسوں میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ شکاگو میں مذاہب کی بین الاقوامی کانفرنس (۲۸ر اگست - ۵ر ستمبر ۱۹۹۳ء) سے متعلق حضرت مولانا کے ریمارک سے اپنے تجربے کی بنا پر بڑا لطف آیا۔ وہ لکھتے ہیں:-

"..... یہ بین الاقوامی مذہبی کانفرنس حقیقتاً ایک مذہبی مشاعرہ تھا جس میں گویا اپنے اپنے مذہب کی شان میں غزلیں پڑھی گئیں، نہ مذہب حق کی تحقیق و تلاش کا جذبہ تھا، نہ دنیا میں پھیلی ہوئی مادیت، نفس پرستی اور تخریبی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کا عزم و حوصلہ....."

اگست و ستمبر ۱۹۹۳ء میں مصنف گرامی قدر کا بین الاقوامی سفر ان کی زندگی کا طویل ترین سفر تھا، اور اس میں تین براعظم یورپ، امریکہ اور ایشیا شامل تھے۔ اس کے بعد اکتوبر میں الگ سے ازبکستان کا سفر ہوا۔ ان اسفار کی خاصی مفصل روداد کتاب مذکور میں درج ہے جو نوع بہ نوع معلومات کے ساتھ مصنف کے گہرے تاثرات اور احساسات کی آئینہ دار ہے، طرز بیان ایسا دلچسپ اور موثر کہ محسوس ہوتا ہے کہ پڑھنے والا خود بیان کرنے والے کے ساتھ سفر کر رہا ہے، اور گنگنا رہا ہے:-

اگر بہ دل نہ خلد آنچہ در نظر گزرد
زہے روانی عمرے کہ در سفر گزرد

فاضل مصنف کا ایک اہم مقالہ "اسلام اور مغرب" کے عنوان سے ہے جو چھپ چکا ہے، آپ نے ۵ر ستمبر ۱۹۹۳ء کو اسے مسلمانوں کے ایک اجتماع میں (شکاگو میں) پڑھا۔ یہ مقالہ جو داعیانہ اور نہایت عالمانہ ہے انگریزی، عربی اور اردو تینوں زبانوں میں دستیاب ہے اس مقالہ میں مغربی تہذیب کی کمزوریوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس میں عقیدہ کے بجائے مادیت کو مرکزیت حاصل ہے، نوع انساں کی کسی اخلاقی و روحانی فلاح کی امید نہیں کی جا سکتی۔ پیام مشرق میں علامہ اقبال کے چار اشعار "نقش فرنگ" کے عنوان سے ہیں۔ مقالہ کا اختتام اس نظم کے جن تین اشعار پر کیا گیا ہے (باقی صـ۱۵ پر)

مطالعہ کی میز پر

مولانا محمد خالد ندوی

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

نام کتاب	مقدمۃ فی اصول الحدیث
تقدیم وتعلیق	سید سلمان حسینی ندوی
ناشر	دارالسنۃ للنشر والتوزیع لکھنؤ
صفحات	ایک سو بارہ
قیمت	مذکور نہیں
ملنے کا پتہ	مکتبہ ندوہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱

مقدمہ محدث جلیل شیخ عبدالحق دہلوی رح اصول حدیث میں ایک خاص اہمیت وشہرت رکھتا ہے۔ تقریباً تمام مدارس میں مشکوٰۃ شریف پڑھنے والوں کو یہ مقدمہ پڑھایا جاتا ہے، اس طرح اصول حدیث پر طلبا کے درس میں پہلی کتاب کے طور پر اس کا تعارف سامنے آتا ہے، مقدمہ کی اپنی افادیت کے پیش نظر ضروری تھا کہ موضوع کی رعایت کرتے ہوئے ذیلی عناوین اور شاہ سرخیوں میں متعلق عبارتوں کی توضیح غیر معروف اسماء اور اماکن کی نشاندہی کرکے اس کی تسہیل کردی جائے۔ جناب الاستاذ سید سلمان حسینی صاحب ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اس ذمہ داری کو قبول فرماکر اس اہم فریضہ کو انجام دیا۔ اور مفید تحقیقات، توضیحی نوٹ، اور حواشی کے ذریعہ اس کتاب کی افادیت کو دوچند کردیا، ذیلی عناوین قائم فرماکر عبارتوں کی درجہ بندی کی، اور مزید برآں اس پر وقیع عالمانہ مقدمہ بھی تحریر کیا۔ جو موصوف کے فلم جوہر نگار کا ایک مثالی شاہکار ہے، جس میں مقدمہ نگار نے علم اصول حدیث کے تاریخی تسلسل کو بڑے دلکش اور علمی انداز میں بیان کیا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اختصار کو ملحوظہ رکھتے ہوئے برصغیر ہند میں ان کاوشوں پر بھی روشنی ڈالی ہے جن کے دوش پر فن حدیث کو عروج حاصل ہوا۔ اور ہندوستان کے طول وعرض میں اس کی گرم بازاری قائم ہوئی تصنیف کے جدید اصول پر ایڈٹ کرکے ایک گراں بہا علمی خدمت انجام دی گئی ہے۔ امید کہ جدید نظریات کے حامل مدارس کے ساتھ قدیم مدارس کے طلباء بھی اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

نام کتاب	ڈاکٹر مشیر الحق شخصیت اور فکری بصیرت۔
مرتب	شاہ عبدالسلام صاحب پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی
زیر اہتمام	مشیر الحق میموریل ایجوکیشنل کمیٹی جامعہ نگر نئی دہلی۔
صفحات	چار سو بارہ ۴۱۲
قیمت	تین سو روپے Rs. 300/-

زیر نظر کتاب ڈاکٹر مشیر الحق ندوی مرحوم وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں، فکری بصیرت، علم وتحقیق کے میدان میں ان کی گرانقدر خدمات، تدریسی مہارت، ادب وفن میں ان کی قابلانہ صلاحیت اور ناقدانہ بصیرت جیسی خصوصیات پر مشتمل ہے، ۱۰ر اپریل ۱۹۹۰ء کی شام میں عین روزے کی حالت میں (جمعہ کی نماز کے لیے جاتے ہوئے پہلے تو اغوا کیا گیا بعد ازاں) بے دردی کے ساتھ انھیں شہید کردیا گیا، اس وقت وہ کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔

وہ ندوہ کے فاضل تھے، ادارۂ تعلیمات لکھنؤ سے ایک عرصہ تک وابستہ رہے، جہاں انھوں نے مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی مرحوم کی رہنمائی میں اسلامی سیرت پر کئی کتابیں ترتیب دیں، جو بہت پسند کی گئیں، پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ گئے، اور وہاں سے میگل یونیورسٹی کناڈا تشریف لے گئے وہاں انھوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، علی گڈھ میں پروفیسر رہے اور آخر جنت ارضی کشمیر پہونچے اور وہیں سے راہی جنت ہوئے۔

انگریزی اردو میں ان کی بہت سی وقیع تصنیفات ہیں۔ بہت سے عربی کے مضامین کو اردو کا حسین قالب بھی انھوں نے دیا۔ وہ عربی انگلش اور اردو پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ ان کے گوناگوں صفات، مرنجاں مرنج طبیعت، سادگی وپرکاری، متانت وسنجیدگی، اور علمی گیرائی وگہرائی کی شہادت ان کے معاصرین نے دی ہے، اور معاصرین کی شہادت بہت بڑی سند کا درجہ رکھتی ہے، اس کتاب میں عرض مرتب اور پیش لفظ کے علاوہ تقریباً تینتیس ۳۳ مقالے ہیں۔ جو موصوف کی علمی ادبی اور تحقیقی زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ منظومات کا بھی ایک حصہ ہے، جس میں اچھے اور تاثراتی اشعار درج ہیں۔ بعض نے قطعۂ تاریخ وفات بھی نکالا ہے، پروفیسر نثار احمد فاروقی کا اس میں قطعہ تاریخ سب سے زیادہ جامع اور معنی خیز ہے۔ باقی ص ۳۱ پر

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

س:— دینی مدارس کے سفراء زکوٰۃ اور چرم قربانی کی رقم وصول کرتے ہیں، پھر وہ مدرسہ میں جمع کرتے ہیں تو کیا ذمہ داران مدرسہ ایسی رقوم سے تعمیری کام کرسکتے ہیں، یا تنخواہ دے سکتے ہیں، اگر ایسا کرسکتے ہیں تو کیا شکل ہوگی؟

ج:— مذکور رقم زکوٰۃ اور چرم قربانی کو شرعاً تعمیر یا تنخواہ کے لئے نہیں استعمال کرسکتے ہیں۔

س:— ایک شخص ٹرین پر ملازمت کرتا ہے ہفتوں اور مہینوں گھر نہیں جاتا وہ ٹرین لکھنؤ حیدرآباد آتی جاتی ہے کیا ایسا شخص مسافر قرار پائے گا یا مقیم، ایسا شخص قصر کرے گا یا نہیں؟

ج:— مذکور شخص جب تک گھر سے باہر رہے گا اور سفر کرتا رہے گا وہ شرعاً مسافر ہوگا اور نمازیں قصر کرے گا، دوران سفر اگر کسی جگہ پندرہ ۱۵ دن کے قیام کی نیت سے ٹھہرا تو پوری نماز پڑھے گا۔

س:— عیدگاہ پر چھت تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں؟

ج:— عیدگاہ پر چھت تعمیر کرنا درست نہیں ہے۔

س:— اذان کا جواب دینا مستحب ہے یا واجب

ج:— اذان کا جواب دینا عملاً واجب ہے قولاً مستحب ہے

س:— انجینیرس کو ٹھیکیدار کچھ فیصدی کمیشن دیتے ہیں، یہ کمیشن کی رقم ان کے لئے لینا جائز ہے یا نہیں؟

ج:— نہیں، مذکور کمیشن رشوت کے حکم میں ہے، رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے "الراشی والمرتشی کلاھما فی النار" ترجمہ: رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے" لہٰذا انجینیروں کے لئے مذکور رقم کا لینا جائز نہیں ہے۔

س:— قبرستان کے بیچ میں مسجد ہے تو اس میں پنجوقتہ نماز کی جماعت جائز ہے یا نہیں؟

ج:— مسجد کی چہار دیواری کے اندر نماز پڑھنے میں قبریں نمازی کے سامنے، دائیں اور بائیں نہ ہوں گی اس لئے نماز بلاکراہت درست ہے۔

س:— ایک زمین پر زبردستی قبضہ کرلیا گیا ہے، جبکہ اس کا مالک راضی نہیں ہے، اور اس پر مسجد بنادی گئی تو کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

ج:— مسجد مذکور میں نماز مکروہ ہوگی مالک سے اجازت حاصل کرلی جائے تو کراہت ختم ہوجائے گی۔

س:— کاغذ سے استنجا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج:— کاغذ سے استنجا مکروہ ہے اور جو کاغذ خاص استنجا کے لئے بنایا جاتا ہے مجبوری کی صورت میں مثلاً ہوائی جہاز میں پانی نہ ملتا ہو اور وہاں اسی کاغذ سے استنجا کرنے کی مجبوری ہو تو استعمال کی گنجائش ہے۔

اعلان غائب غیر مفقود الخبر

مقدمہ ع ۲۳/۲۳۴ سنہ ۱۴۱۴ھ

مدعیہ:— آسیہ خاتون بنت محمد اسماعیل مرحوم مقام ڈاکخانہ چنہٹ ضلع لکھنؤ (یوپی)

بنام: مدعیٰ علیہ:— یامین ولد بدھو مقام پورے شاہ لال ڈاکخانہ جریل کلاں ضلع بارہ بنکی (یوپی)

—: اطلاع بنام مدعیٰ علیہ:—

مندرجہ بالا مقدمہ میں آپ کی بیوی مدعیہ آسیہ خاتون بنت محمد اسماعیل مرحوم نے آپ مدعیٰ علیہ یامین ولد بدھو پر عدالت ھذا میں فسخ نکاح کے لئے مقدمہ دائر کیا ہے، مدعیہ کے دعویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ سے شادی کو آٹھ ۸ سال ہوگئے، شادی کے بعد مدعیٰ علیہ کے ساتھ مجموعی اعتبار سے تین ماہ ہی اس عرصہ میں تعلقات ٹھیک رہے، سات ۷ سال کے عرصے مدعیٰ علیہ مجھ سے قطع تعلق کئے ہوئے ہے، نہ خرچ وغیرہ دیتا ہے اور نہ خبر گیری کرتا ہے اور نہ ہی اپنے قیام کا پتہ بتاتا ہے، ادھر ادھر گھومتا پھرتا ہے، میں بہت پریشان ہوں، اپنی بیوہ والدہ کے ساتھ زندگی گذار رہی ہوں، صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ہے، اس لئے مذکورہ اسباب کی بنا پر شوہر (مدعیٰ علیہ) سے فسخ نکاح کی درخواست ہے، تاکہ بقیہ زندگی آرام سے گذار سکوں۔

اس اعلان کے ذریعہ آپ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی موجود ہوں، مورخہ ۲۰ر صفر ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۸ر اگست ۱۹۹۴ء بروز دوشنبہ بوقت دس بجے دن تک عدالت ھذا میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں بصورت عدم حاضری مدعیہ کا دعویٰ صحیح سمجھا جائے گا اور تاریخ مذکور کے بعد آپ کی بیوی آسیہ خاتون آپ سے الگ کردی جائے گی۔ —قاضی شریعت: مرکز دارالقضاء ادارہ ادبیہ، ندوۃ العلماء، ص ب ۹۳ لکھنؤ الہند

بقیہ: حیات بعد الممات

مگر حقیقت وجود نہیں بدلتی۔ یعنی بیج اور نطفہ کی شکل تو ضرور بدلی مگر حیاتی عناصر نہیں بدلے جن سے دوبارہ پھر اسی وجود کی تشکیل ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ انسانی وجود کا خول یا ڈھانچہ تو ضرور مرنے کے بعد راکھ یا مٹی کا ڈھیر بن جاتا ہے مگر اس کا کچھ حصہ یعنی روح باقی رہتی ہے۔ اور جو کچھ بھی باقی رہ جاتا ہے اس کا دوبارہ حیاتِ ابدی میں تبدیل ہو جانا کیا خدائے بزرگ و برتر کیلئے کوئی مشکل کام ہے؟ آخر پودا بیج ہی سے تو بنا تھا اور انسان ایک حقیر پانی کی بوند سے۔

میرا ایک ذاتی تجربہ جرثومے سے متعلق ہے (Microorganism) جو اپنی تجربہ گاہ میں مجھے ہوا۔ کیوں کہ ہمارا کام جرثوموں کے ذریعہ مختلف قسم کے کیمیاوی مرکب بنانا ہوتا ہے لہٰذا ان کو ایسی حالت میں رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ ان کی اصلیت اور کیمیاوی عمل میں کوئی تبدیلی نہ آنے پائے اس کیلئے ان جرثوموں کو مٹی میں محفوظ کر لیتے ہیں اس حالت میں تقریباً پندرہ سے بیس سال تک مٹی میں محفوظ رہتے ہیں اور جب وقت ضرورت انکو مٹی سے نکال کر مناسب خوراک اور ماحول دیا جاتا ہے تو پھر ان میں زندگی کی وہی سرگرمیاں شروع ہو جاتی ہیں اور تقسیم در تقسیم کے ذریعہ مزید نئے خلیئے وجود میں آتے ہیں جس سے پھر ان کی نسل چلتی ہے۔ جب ایک حقیر اور ادنیٰ سا انسان خدا کے حکم سے انکو دوبارہ حیات معنوی میں لا سکتا ہے تو خود اس کی قدرت اور حکمت کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے اور یہ کم عقل انسان اس حکمت کا احاطہ کہاں کر سکتا ہے لہٰذا بے اختیار زبان سے نکلتا ہے ؎

تو ہے محیط بیکراں میں ہوں ذرا سی آبجو!

جب وہ اپنی بارانِ رحمت سے عرب کی مردہ اور بے آب و گیاہ سرزمین سے نور و ہدایت کا وہ بیج پیدا کر سکتا ہے۔ جس کے درخت کی شاخیں نہ صرف حجاز و یمن بلکہ تمام عالم پر سایہ فگن ہو گئیں، جس نے عالم کی پیاسی روح کو سیراب کر دیا اور جس کے صرف ایک کُنْ فَیَکُوْن سے سارا عالم وجود میں آ گیا تو قیامت کے روز دوبارہ جی اٹھنے میں کیا اب بھی کوئی شک ہے؟؟

بقیہ - درس حدیث

لہٰذا معلوم ہوا کہ کھجور کا باغ لگانا غذا اور کھانے کے لئے بہت اہم ہے اور ایسے ہی ماحول کو بگاڑنے اور پراگندہ کرنے والی چیزوں سے بچانے کے لئے بھی اس کا ہونا ضروری ہے۔ اس کی خوبی، اہمیت و ضرورت کو ثابت کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبدطل پر اپنے انعامات و نعمتوں کو گناتے ہوئے کھجور کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا: "فیھما فاکھة ونخل ورمان فبأی آلاء ربکما تکذبان"

(رحمٰن - ۶۸ و ۶۹)

ان میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

اس سب کے علاوہ عالم نباتات باغات اور پھول پتوں نیز جڑی بوٹیوں کی ایک دنیا ہے جو قسما قسم کے فوائد، حسن و جمال، غذا اور دوا اور دیگر بے شمار فوائد کی حامل ہے۔

پاک ہے خدائے بزرگ و برتر کی ذات جس نے اپنی قدرت سے دانہ کو پھاڑا اور اس میں سے پودے کو نکالا گٹھلیوں کو پھاڑ کر اس میں سے بڑے بڑے درخت نکالے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا کہ خود سے درخت لگائیں، پودوں کی دیکھ بھال فرمائیں تاکہ بندۂ مومن کا اس دائمی دین پر یقین و اعتماد بڑھے کہ وہ عبادت و زراعت اور جہاد سبھی پر حاوی ہے دین و دنیا دونوں کا جامع ہے معاشی و اقتصادی ترقی کی بھی فکر کرتا ہے، ماحول و معاشرہ کی درستگی کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے اور حیوانات و نباتات کا علم حاصل کرنے کی بھی دعوت دیتا ہے۔ (جاری)

لے ہمارے اس زمانہ میں خصوصاً ہمارے ملک میں اس پر بڑا زور دیا جا رہا ہے۔

دعائے مغفرت

دار العلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ تجوید کے استاذ مولوی محمد علی اکبر ندوی کے والد بزرگوار حاجی محمد ادریس صاحب کا ۲۱ رمئی کو مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم کی عمر ۸۴ سال تھی۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند نیک طبیعت انسان تھے، حج کی سعادت سے بھی سرفراز تھے۔

● دار العلوم ندوۃ العلماء کے طالب علم محی الدین درجہ عالیہ رابعہ شریعہ کے دادا حکیم عبد القدوس صاحب کا انتقال حال ہی میں ہو گیا ہے جو صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے اور مشہور و معروف اطباء میں سے تھے۔

● تعمیر حیات کے قدرداں جناب عبد العزیز فوزی صاحب کا مورخہ ۴ جولائی ۹۴ء کو ۷۵ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"

قارئین تعمیر حیات سے سب مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● سعودی حکومت نے سانحۂ منیٰ کے سلسلہ میں اپنے ایک اخباری وضاحتی بیان میں کہا ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے حادثۂ منیٰ کو دوسرے انداز سے پیش کیا ہے اور تمام اموات کو منیٰ کے حادثہ میں شمار کیا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ۸۲۹ حاجیوں کا انتقال منیٰ میں نہیں ہوا بلکہ پورے موسم حج کے دوران ہوا ہے ان میں ۷۲۰ حاجیوں کا انتقال بڑھاپے کے سبب سے، ۱۴۶ کا حرکت قلب بند ہو جانے سے، ۱۸۸ کا لو لگنے سے، ۲۳ کا دماغی نس پھٹ جانے سے، ۲۴ کا ہائی بلڈ پریشر میں، ۲۷ کا نمونیہ سے، ۳۳ کا سڑک حادثہ میں اور ۵۶ کا دوسرے وجوہات کی بنا پر ہوا ہے۔ اس طرح جن حاجیوں کی موت منیٰ سانحہ میں ہوئی ان کی مجموعی تعداد تقریباً ۲۷۰ ہے۔

اس پریس ریلیز میں ان عناصر کے تئیں شدید افسوس کا اظہار کیا گیا ہے جو حادثۂ منیٰ کے تعلق سے "اللہ کی مرضی" کو پس پشت ڈال کر سعودی حکومت کو مورد الزام قرار دیتے ہیں اور بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ عام حالات میں ۲۲ لاکھ آبادی والے شہر میں ۱۵ دن کے عرصہ میں اتنے افراد کی موت فطری طور سے ہو جاتی ہے۔

● ملیشیا کی حکومت نے مقابلۂ حسن میں مسلمان لڑکیوں کی شرکت پر پابندی لگانے کے لئے ایک قانون بنا یا ہے اور اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں پر جرمانہ عائد کرے گی۔ ملک کے نائب وفاقی وزیر نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ اسلامی قدروں اور اصولوں کے فروغ کے لئے ایسے قانون کی سخت ضرورت تھی اور کہا کہ عورت کے جسم کی نمائش مذہب کے خلاف ہے اور مسلمان خواتین کے لئے یہ بہت ننگ آمیز ہے۔

● عراق کے صدر جنھوں نے جرائم اور اقتصادی مسائل سے نمٹنے کے لئے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، انھوں نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ جرائم کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی طریقوں سے سزا دی جائے اور ڈاکوؤں، چوروں کو اسلامی تعزیرات کے مطابق سزا دی جائے تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔

● اسلامی نیوز ایجنسی کی ایک اطلاع کے مطابق کویت میں ایک بہت بڑی تعداد غیر ملکیوں کی کام کرتی ہے ان میں سے ۵ ہزار ۵ سو افراد نے اسلامی دعوتی کمیٹی کی کوششوں سے اسلام قبول کر لیا ہے، یہ کمیٹی ۱۹۷۸ء سے دعوت و تبلیغ کے کاموں میں سرگرم ہے اور اس کو کویتی وزارت اوقاف و دینی امور کا بھی تعاون حاصل ہے۔

واضح رہے اس کمیٹی کے منصوبوں میں ٹیلی ویژن اور ریڈیو اسٹیشنوں کو قائم کرنا شامل ہے اور ایسے افراد کی تیاری بھی جو دعوت و تبلیغ کا کام بہتر طریقہ سے انجام دے سکیں۔

● ملیشیا میں اسلامی بینک کاری کا نظام بہت مقبول ہو رہا ہے اور اس کو مسلسل استحکام حاصل ہو رہا ہے، اس نظام کے تحت مسلمان نہ صرف بلا سودی قرض حاصل کرتے ہیں بلکہ دوسرے بینک جو قرض حاصل کرتے ہیں اس کا بھی وہ کوئی سود نہیں لیتا، اس سلسلہ میں جو اطلاعات مل رہی ہیں ان سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ملیشیا بڑی تیزی کے ساتھ ایک نئے اسلامی اقتصادی نظام کی حیثیت سے عالمی اقتصادی افق پر ابھر رہا ہے یہ دنیا کا واحد ملک ہے جہاں بینک دولت دو اقتصادی نظام رائج ہیں ایک اسلامی اقتصادی نظام اور دوسرا غیر اسلامی نظام۔

خلیل پرتاپ گڑھی

گھر جو ویران ترسا لگتا ہے
وہ تو اپنا ہی گھر سا لگتا ہے
کوئی ہمدم نہ کوئی رہبر ہے
ہر قدم اک سفر سا لگتا ہے
کیا چمن میں ہے انقلاب آیا
نظم زیر و زبر سا لگتا ہے
چاہے جس طرح عرض غم کیجے
اس پہ سب بے اثر سا لگتا ہے
درد دل میں کمی نہیں کوئی
پھر بھی وہ چارہ گر سا لگتا ہے
زندگانی کا یہ طویل سفر
قصۂ مختصر سا لگتا ہے
دل میں جو کچھ ہے باخبر اس سے
لاکھ وہ بے خبر سا لگتا ہے
کون جانے خلیل کل کیا ہو
جانے کیوں آج ڈر سا لگتا ہے

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

امّتِ مسلمہ کے ضمیر نے صلح سے انکار کر دیا

اسلام (اپنی چودہ سو سالہ تاریخ میں) سب داخلی و خارجی حملوں کو برداشت کرلے گیا، اور اس نے نہ صرف اپنی ہستی قائم رکھی، بلکہ زندگی کے میدان میں نئی نئی فتوحات حاصل کیں۔ تحریفات، تاویلات، بدعات، عجمی اثرات، مشرکانہ اعمال و رسوم، مادیت نفس پرستی، تعیشات، الحاد - ولادینیت، اور عقلیت پرستی کا اسلام پر بارہا حملہ ہوا، اور کبھی کبھی محسوس ہونے لگا کہ شاید اسلام ان حملوں کی تاب نہ لاسکے، اور ان کے سامنے سپر ڈال دے، لیکن امت مسلمہ کے ضمیر نے صلح کرنے سے انکار کر دیا، اور اسلام کی روح نے شکست نہیں کھائی، ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے، جنھوں نے تحریفات وتاویلات کا پردہ چاک کر دیا، اور حقیقت اور دین خالص کو اجاگر کیا، بدعات اور عجمی اثرات کے خلاف آواز بلند کی سنت کی پرزور حمایت کی، عقائد باطلہ کی بے باکانہ تردید کی اور مشرکانہ اعمال و رسوم کے خلاف علانیہ جہاد کیا۔ مادیت، اور نفس پرستی پر کاری ضرب لگائی۔ تعیشات اور اپنے زمانہ کے مترفین کی سخت مذمت کی، اور جابر سلاطین کے سامنے کلمۂ حق بلند کیا، عقلیت پرستی کا طلسم توڑا، اور اسلام میں نئی قوت و حرکت، اور مسلمانوں میں نیا ایمان، اور نئی زندگی پیدا کر دی۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کی حفاظت اور بقا منظور ہے، اور دنیا کی رہنمائی کا کام اسی دین اور اسی امت سے لینا ہے، اور جو کام وہ پہلے تازہ نبوت اور انبیاء سے لیتا تھا، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین اور امت کے مجددین و مصلحین سے لے گا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (تاریخ دعوت و عزیمت اول ص ۱۹-۲۰)

فی شمارہ ۵ روپے | سالانہ سو روپے | ۲۵ جولائی ۱۹۹۴ء

Regd. No. EW/1456

Office : 387638
Press : 72335
G. House : 73864

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY
NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

لکھنؤ کے قدیم شہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات عمدہ و اعلیٰ قسم کے روغنیات و عرق کیوڑہ، عرق گلاب و دیگر عطریات کی ایک قابل اعتماد دوکان - ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں۔

خط و کتابت کا پتہ

اظہار احمد اینڈ سنس پرفیومرس چوک لکھنؤ

IZHAR AHMAD & SONS PERFUMERS TRADE MARK CHOWK-LUCKNOW

نورانی تیل

دردِ زخم، ریوٹ کی بہترین دوا

لیبل پر ڈرگ لائسنس نمبر U18/77 اور کیپ سول پر (T) مارکہ ضرور دیکھیں، انڈین کمپنی کی کہیں کوئی برانچ نہیں ہے دھوکہ نہ کھائیں۔ مٹو کا بنا اصلی نورانی تیل مٹو کا پتہ دیکھ کر خریدیں۔

INDIAN CHEMICAL MAU. N.B. 275101

بمبئی کے قارئین تعمیرِ حیات سے

بمبئی کے قارئین خیر حضرات سے گذارش ہے کہ تعمیرِ حیات کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں وہاں اس طرح رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
Tea Merchants

44, Haji Building,
S. V. Patel Road, Null Bazar,
Bombay 400003
Tele.: Add CUPKETLE Tel.
3762220/3728708
Tel. (R) 3095852

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات ایک تحریک ہے، اس کی توسیعِ اشاعت میں حصہ لیں۔

AZAD PRINTING PRESS LKO. PH: 234685 248051